نقولا يعقوب غبريل

مباحث المجتهدين

مباحث المجتہدین

نقولا یعقوب

دارالہدایہ

THE GOOD WAY - RIKON - SWITZERLAND

(جُملہ حقوق محفوظ ہیں)

Order Number: **RPB 4905 URD**

First Urdu Edition: **1994**

German title: **Themen für Fleißige**
English title: **Themes for the Diligent**

Internet: http://www.the-good-way.com
E-mail: inf@the-good-way.com

The Good Way • Post Box 66 • CH-8486-Rikon • Switzerland

اَے خُدا!
میرے اندر پاک دِل
پیدا کر
اَور میرے باطِن میں
اَزسرِنو
مُستقیم رُوح ڈال

مُقدّمہ

بڑے بڑے مسلم شیوخ وعُلماء کے درمیان مجھے ایک عرصۂ دراز تک رہنے کا موقع رہا ہے۔ ہم بڑے خلوص ومحبّت کی فضا میں گفتگو کرتے رہتے۔ اثنائے گفتگو مذہب پر بھی بہت سی باتیں ہوئیں اور مذہب کا بھی کوئی ایسا دروازہ نہیں تھا جسے ہم نے کھٹکھٹایا نہ ہو۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ان مباحث کو مختصر کر کے ایک کتابی شکل دے دی جائے۔ نتیجے کے طور پر یہ کوشش آپ کے سامنے ہے۔ مجھے امید ہے کہ سُتھرے دماغ والے اور جویائے حق اشخاص ضرور اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ خدا سچّائی کے کھوجی کی مدد کرتا ہے۔ حق جو کیسا منے حق اُجاگر ہو گیا وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔ ایسے لوگ مبارک ہیں اور اُن ہی کے لئے فلاح ہے۔

بحث میں مَیں نے وہی طریقہ اپنایا ہے جو ایک فہیم مسلم کے لائق ہے جسے فاضل کھوجی ناپسند نہیں کرے گا ——— یعنی دلائل ایسے ہوں جو قرآن وحدیث اور تاریخ کے ہوں، کیونکہ تب تو وہ اس کے دل میں بھی گھر کر لے گا اور اُن پر اعتراض بھی وارد نہ ہوگا اور ہم کسی نتیجہ تک پہنچ سکیں گے۔

سچّائی تو دختر جُستجو ہے، علماء نے بھی یہی کہا ہے، سچّائی کا جو یا بحث کے میدان میں چکر لگانے سے نہیں تھکتا۔ جس نے سچّائی پالی وہ اس میں حصہ داری سے بھی نہیں ڈرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اپنی تلاش میں اور بھی سخت ہو جائیگا اور آخر میں نفع اسی کا ہی ہوگا۔ قرآن و حدیث کے میرے استشہاد سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں ان کی صحت کا معترف ہوں! لیکن منطقی اور تمدنی قوانین اس کی اجازت دیتے ہیں کیونکہ ان کی ضرورت وقتی ہوتی ہے۔ اسلئے بڑی وجہ یہ ہے کہ میرا مسلم بھائی ہماری کتاب انجیل و توراۃ کا تو قائل ہی نہیں ہے ورنہ ہر بحث میں کئی دلیلیں اس رسالہ میں پیش کی جاسکتی تھیں اور اس کا شک رفع کیا جاسکتا تھا اور وہ شک یقین میں بدل سکتا تھا۔

اے مسلم بھائی! کیا آپ کا اور ہمارا ایک ہی مقصد نہیں کہ ہم خالق کی عبادت کریں اور خوش بختیٔ دارین حاصل کرلیں۔ اسلئے آپ نے ایک طریقہ اس مقصد کے حصول کے لئے چن لیا ہے، اور ہم نے دوسرا۔ اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے حلیمی و تواضع سے اس امر پر غور کرلیں تو ہرج ہی کیا ہے کیونکہ سچ تو ایک ہی ہے اسکے ٹکڑے تو ہوتے نہیں!

آیئے اسی تلاش حق کے لئے ساتھ ہولیں اور سعادت دارین اور فردوس بریں کے حصہ دار بنیں، اور حضرت مسیح کی طرف سے جو نجات ہمیں ملی ہے

اسکے حصہ دار ہوں، اگر ہم خود طالب نجات ہیں تو ہم باہم خلوص و محبّت پر عمل کریں، سوءِ ظن کا شکار نہ ہوں۔ اے کاش خدا ہمیں اپنی سیدھی راہ پر ہی چلاتا رہے!

بحث و تمحیص میں ظاہری خاطر داری سے بچنا چاہیئے اسلئے بھائی سے درخواست ہے کہ اگر کوئی بات تمہیں بری لگے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔ میرا مقصد کسی کے دل کو دُکھانا ہرگز نہیں، مقصد تو کسی سچّائی پر پہونچنا ہے جس سچائی کو میں اپنائے ہوا ہوں اس میں تم کو بھی شریک کرنا ہے۔ یہ بھی پسند کروں گا کہ تم بھی اپنی سچّائی سے مت کتراؤ، کیونکہ یہ تو بحث کے لئے ضروری ہے۔ میں مذاق یا غضبناک بات سے بھی بچوں گا۔ میں نے اس کتاب کی تالیف میں پچھلی تالیفات کا استعمال کیا ہے۔

میری دعا ہے کہ خدا اسے دونوں کیلئے مفید بنائے، وہ ہماری دُعاؤں کو سُننے کے لئے کافی ہے!

بحث اوّل

فصلِ اوّل

توراتؔ و انجیل کی صحت پر

توراتؔ و انجیل مسیحی مذہب کے عقیدوں کی بنیاد ہیں اور مشکل کے وقت وہی ہماری ثالث بنتی ہیں اسلیئے میں نے انھیں اپنے مباحث کے لئے چُن لیا ہے اور مسلم برادر کے سامنے ان کی صحت کو منطقی دلائل اور ثبوت کے ساتھ پیش کیا ہے کیونکہ کتابِ مقدس (بائبل)، ہر بات میں نور وہدایت ہے۔

(۱) سُورۂ آلِ عمران آیت دوم کو ہی لے لیجئے جو کہتی ہے کہ:

"خدا نے توراتؔ و انجیل کو پہلے ہی، لوگوں کی ہدایت کے لئے اُتارا ہے ـــــــ"

(۲) سُورۂ مائدہ ۷۲:

"اے محمدؐ، کہدے کہ اہلِ کتاب تم کسی حقیقی بنیاد پر نہ ہو گے تاوقتیکہ تم توراتؔ و انجیل پر قائم نہ ہولو ـــــ"

آیت شریفہ صاف بتا رہی ہے کہ توراتؔ و انجیل قابل اعتماد ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت محمد کو ان کو سچا ماننے یعنی تصدیق کا حکم نہ ہوا ہوتا۔

(۳) سُورۂ مائدہ ۵۱ میں بھی حکم ہے کہ:

"انجیل والے اپنے فیصلے اللہ کے اُتارے ہوئے فرمان کے مطابق کیا کریں"

یہاں بھی اس پر زور ہے کہ انجیل منزل من اللہ ہے اور خود آنحضرت محمد اس کے احکام کے تحت ہیں۔

(۴) سُورۂ النساء سورہ ۴ آیت ۱۳۵ حکم دیتی ہے کہ:

"اے ایمان لانے کا دعویٰ کرنے والو، ایمان لاؤ اللہ پر، اسکے رسُول پر، اسکی کتاب جو اس نے اپنے رسُول پر اُتاری، اور اس کتاب پر جو پہلے اُتاری! جو ایسا نہ کرے وہ کافر ہوا اللہ کا، اسکے فرشتوں کا، اُس کی کتابوں کا، اسکے رسولوں کا اور یوم آخرت کا ـــــ اور وہ بڑا شدید گمراہ ہوا ہے ـــــ"

یہ فیصلہ کرتی ہے گمراہی کا ان مسلمانوں کیلیئے جو توراتؔ و انجیل پر ویسا ایمان نہیں لاتے جیسا قرآن پر لاتے ہیں۔

(۵) سُورۂ سبا ۳۴، آیت ۳۰ فرماتی ہے:

"کافروں نے کہا" ہم ہرگز ایمان نہ لاوینگے قرآن پر نہ اس پر جو سامنے ہے۔"

چنانچہ اہل مکہ پہچانتے تھے توراتؔ وانجیلؔ کو قرآن کی طرح !

(۶) سورۂ قصص ۲۸ : ۲۹ ۔

"اے محمد انھیں چیلنج کیجئے کہ وہ کوئی دوسری کتاب پیش کریں جو خدا کی طرف سے بھی ہو اور (قرآن و کتابِ مقدس) سے زیادہ ھدایت دکھانے والی ہو، تو میں ضرور اسکی پیروی کروں گا ۔۔۔"

اس آیت میں حضرت محمد کا صحتِ تورات وانجیل پر اقرار ہے اور وہ اسے قرآن کا مساوی مان رہے ہیں۔

(۷) سورۂ مائدہ ۵ : ۴۷ ۔

"وہ بھلا تجھے اے محمدؐ کیوں حکم بنانے لگے جبکہ خود ان کے پاس تورات ہے مع حکم خدا ۔۔۔"

یہاں بھی کھلا اقرار ہے کہ توراتؔ صحیح ہے اور اس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے۔

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ توراتؔ وانجیلؔ تنزیل الٰہی، نُور اور ساری دنیا کے لئے ھدایت ہے۔ اسکے احکام واجب العمل ہیں۔ جو ان پر ایمان نہ لائے اور کُفر کرے خواہ مسلمان ہو اس کا دین ناقص ہے اور وہ خود گمراہ ہے۔ نیز مکہ کے لوگ قرآن کی طرح تورات وانجیل کو بھی خوب پہچانتے تھے۔

اے مسلم بھائی ! میری نصیحت کو سُنو اور کتابِ مُقدّس کو پڑھو، اس پر ایمان لاؤ، اسکے احکام پر چلو، تو تمھیں وہ راہ مِل جائیگی جس کے وسیلے سے

تم خدا کے عدل و رحمت کو یکجا کر سکو گے اور اپنے گُناہوں سے پاک ہوجاؤ گے کیونکہ سعادت دارین یسوع مسیح میں ہے، وہی دنیا جہان اور آخرت میں وجیہ و آبرُومند ہیں !

شاید کوئی مسلم دوست یہ کہے کہ یہ آیات جو شہادت کیلئے پیش ہوئی ہے سچ ہیں اور جو تم نے نتیجہ نکالا ہے وہ بھی دُرست ہے لیکن وہ توراتؔ وانجیلؔ جن پر ایمان لانے کیلئے آپ اس قدر بضد ہیں، اور جنکی تصدیق وشہادت قرآن نے دی ہے ان میں تو تغیّر وتبدّل واقع ہوچکا ہے اور ان سے کھلواڑ کرکے ان کی تحریف کر دی گئی ہے۔ اور جسے آج تم توراتؔ وانجیلؔ کہہ رہے ہو اس اصل سے جسکی شہادت وتصدیق قرآن نے کی تھی، بالکل الگ ہے۔

اس وجہ سے مسلمان اُسے ٹھکراتے اور ناپسند کرتے ہیں ! اسکے جواب میں صرف میں یہی کہوں گا کہ قرآن کی جو آیات بطور استشہاد پیش ہوئی ہیں، وہ اس کتاب کے بارے میں ہے جو حضرت محمد کے زمانہ میں رائج تھی اور پورے طور پر دُرست اور صحیح تھی کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی تھی، ورنہ حضرت کو ان پر ایمان لانے کا وجوب، اور ان کی اتباع وفرمانبرداری کا، اور ان کے حدُود کی اقامت کا حکم نہ ہوا ہوتا ! یا تو پھر یہ مانیں کہ ایک وقت تھا کہ وہ کم از کم صحیح تھیں اور ان میں تغیّر وتبدّل نہیں ہوا تھا۔

پھر میں آپ سے آئندہ آیات کا مطالعہ کرنے کی درخواست کروں گا

تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کہ، آیا یہ تغیر حاصل ہونا ممکن بھی ہے، اور آیا کسی بشر کو اس قسم کی تبدیلی کرنے کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے ؟

(۸) سورۂ کہف ۲۶ -

"جس کتاب کی تیری طرف وحی کی گئی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے، اسکی تلاوت کر جسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا ہے نہیں!"

(۹) سورۂ انعام ۶ : ۳۴ "اللہ کے کلمات کو بدلنے والا تو کوئی ہے نہیں"

(۱۰) سورۂ انعام ۶ : ۱۱۵ "کوئی بدلنے والا اسکے کلمات کا ہے نہیں"

(۱۱) سورۂ یونس ۱۰ : ۶۵ "اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی ہے نہیں"

(۱۲) سورۂ فتح ۴۸ : ۲۳ "تم اللہ کی سنت (طریقہ) کو لا تبدیل پاؤ گے"

(۱۳) سورۂ حجر ۱۵ : ۹ "ہم نے ہی ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں"

(۱۴) فصلت ۴۲ "باطل کا گذر نہیں ہے نہ اسکے آگے سے نہ پیچھے سے"

اب جو کچھ پیش ہوا، اس سے یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اللہ کے کلام میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ اللہ نے ایک کتاب نازل کی اور اس کی حفاظت کا دعویٰ بھی کیا۔

اب اگر یہ کہیں کہ (۱۵ : ۹) ذکر سے مراد قرآن ہے، تو ہمارا جواب ہوگا کہ اس سے مراد تورات و انجیل بھی ہے۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ سورۂ انبیاء ۲۱ : ۷ میں لکھا ہے کہ فسئلوا اھل الذکر (یعنی تورات و انجیل) اگر تم بھی

بھی شک میں ہو تو ــــــــ بلکہ تورات کا نام فرقان یا قرآن رکھا گیا ہے۔ (دیکھو انبیاء ۲۱ : ۴۹)

پھر بھی اگر کہو کہ آیات سے مُراد فقط قرآن ہے، تو میں کہوں گا ہر وہ چیز جو قرآن پر صادق آتی ہے، تورات و انجیل پر بھی صحیح اترتی ہے۔ پس تورات و انجیل کلام اللہ ہیں، اور قرآن بھی تمہارے اعتقاد کے مطابق کلام اللہ ہے۔ تمہارا اعتقاد تو یہ ہے کہ قرآن کے کلام میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

جلالین مفسر بھی یہی کہتے ہیں کہ :

"اللہ اس کی جسے نازل کیا ہے حفاظت کرتا ہے تبدیل و تحریف (کمی و بیشی) سے۔ تو کیا اب بھی تم یہی فیصلہ کرتے ہو کہ تورات و انجیل میں تغیر واقع ہو گیا ہے!"

اگر یہ تسلیم کرو تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن میں بھی ایسا ہی ہوا ہے کیونکہ جو تم ان دونوں کے لئے جائز کرو گے وہ قرآن پر بھی جائز ہوگا۔ اگر انسان بھی کلام اللہ کے تغیر پر قدرت رکھے گا یعنی تورات و انجیل پر، تو وہ لامحالہ قرآن کی تبدیلی پر بھی قدرت رکھیگا اور یہی بات رازی نے بھی کہی ہے کہ :

"اگر تم قرآن کی تبدیلی تو تسلیم نہیں کرتے تو تم پر تورات و انجیل کی تغیر و تبدل کو بھی مستحیل ماننا پڑے گا اور ان کی

صحت کا اقرار بھی کرنا پڑے گا ــــــ ان کے احکام کو بھی اپنا مرشدِ راہ ماننا اور مسیح جو کہ راہ، حق اور زندگی ہیں ان کے احکام پر چلنا پڑے گا ــــــ ۔"

اور مدنی سورتوں میں جس تحریف کا اشارہ ملتا ہے وہ صرف کچھ یہودیوں کے حق میں ہے صرف ۔ اور انجیل تو اس تہمت سے بھی بری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تحریف سے وہاں معنی کی تحریف مراد ہے یعنی آیات کی تفسیر کرنے میں کیونکہ یہودی ویسی تفسیر نہیں کرتے تھے جیسی حضرت محمد کرتے تھے ۔ رازی اور بیضاوی دونوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں آیات تحریف کے بابت یہی کچھ کہا ہے ۔ اگر ایسا نہ مانیں تو جو قباحت لازم آئیگی وہ یہ ہوگی کہ قرآن کا مدنی حصہ مکی حصے کے متناقض ہو جائے گا۔

بحث اول کی

دُوسری فصل

توراتؔ و انجیلؔ کی صحت پر

عقلی ثبُوت

چونکہ خدا حکیم و قادر ہے اسلئے اس کا جو دستور ہوگا اور جو شریعت کی کتاب لکھے گا ــ اپنی عاقل و ناطق مخلوق کے لئے تاکہ وہ ان کی نسبت اور رشتہ کو جان سکیں جو ان کے اور ان کے خالق کے درمیان میں ہے اور ان فرائض کو جان سکیں جو ان کے باہمی تعلقات کو بتاتے ہیں تاکہ وہ اطاعت گذار کا ثواب اور نافرمان کا بدلہ اور سزا نیز دنیا کا انجام معلوم کر سکیں ورنہ بڑی لاقانونیت اور گڑبڑی پھیل جائے گی اور پھر جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی مثال عام ہو جائے گی اور بڑی مچھلی چھوٹی کو نگلنا شروع کردیگی اور وحشیت کچھ اس طرح پھیل جائے گی کہ اقوام نابُود ہوں گی اور زریل و

شریف میں کوئی فرق نہ رہ جائے گی۔

اب یہ بتائیے کہ وہ دستور یا شریعت اگر تورات وانجیل نہیں ہے، تو بتائیے کہ وہ کیا ہیں؟ کیا اس غرض ومقصود کو دنیا کی کوئی اور قدیم کتاب پورا کر پائی ہے؟ قسم ہے جانِ عزیز کی ایسی کوئی کتاب تورات و انجیل کے علاوہ نہیں ہے!

بیشک جب خدائے قدیر وحکیم نے انسانوں کو اپنا دستور و شریعت دی تو کیا وہ انھیں تلف، تغیّر، زیادتی اور نقصان سے نہ محفوظ رکھے گا، ضرور رکھیگا ورنہ مذہب کے بخیئے ادھڑ جائیں گے۔ کتابیں الگ الگ ہوکر رہ جائینگی انسانی آرا میں زبردست اختلاف رونما ہو جائے گا اور خدا کا ارسال کردہ حق گم ہوکر رہ جائے گا! ہرگز نہیں خدا ایسا کبھی نہ ہونے دے گا، اس لئے اس نے کتابِ مُقدس توراتؔ وانجیلؔ کو بچا رکھا ہے نسلاً بعد نسل اور گمراہ کے لئے ہدایت وروشنی اسے بنا رکھا ہے۔

ہمارا تو یہ اجماع ہے کہ الکتاب (توراتؔ وانجیل) کا تغیّر وتبدیلی ایک ناممکن اَمر ہے۔ کیونکہ یہودی اور مسیحی مذہب مشرق ومغرب میں شام ترکی، مصر، حبشہ، ہندوستان و یورپ وامریکہ میں منتشر ہے اور الکتاب کے ترجمے ساری قدیم وجدید زبانوں میں پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ عربیؔ آرمینوی، حبشی، قبطی، ولاطینی وغیرہ میں یونانی اور عبرانی سے ترجمہ ہو چکی

تھیں۔ اب یہ بات کسی کی عقل میں کیسے آسکتی ہے کہ ان بے شمار زبانوں کے بولنے والے لوگوں کے ہوتے ہوئے، جو الگ الگ زبان بولنے والے ہیں اور الگ الگ اختلافی فرقے اور رائے رکھنے والے ہیں، کتابِ مقدس کا بدل جانا کیونکر ممکن ہوگیا۔ خصوصًا اسوقت جبکہ یہودی اور مسیحی الگ الگ فرقے باہم برسرِ پیکار و مناظرہ پائے گئے، تحریف وتبدیلی کیونکر کرنے کی اجازت دینگے؟

سچ تو یہ ہے کہ یہ دعویٰ مسلمانوں کا بالکل لایعنی اور بے بنیاد ہے دعویٰ تو یہ ہے کہ جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے۔ یعنی بالکل ہوائی ہے! اگر کوئی دلیل ہوتی تو اب تک دکھا چکے ہوتے کہ وہ کہاں بدل گئیں، کون تھے وہ لوگ؟ ان کا مقصد کیا تھا؟ اگر وہ دکھا نہیں سکتے اور ہرگز دکھا نہیں سکتے تو پھر یہ دعویٰ کیسا؟ عقلمند تو ہمیشہ کوئی بات بے ثبوت نہیں کرتا ـــــــ!

انجیل کا ترجمہ تو قبل اسلام ہی ہو چکا تھا اگر نہ ہوتا تو متعدد مسیحی عرب قبائل مسیحیّت کو کسطرح جانتے؟ تائید میں دیکھئے کتاب الآغانی ورقہ بن نوفل حضرت محمد کے عصر کے ایک مشہور کاتب تھے جو انجیل لکھا کرتے تھے عربی زبان میں۔ اگر کوئی تبدیلی واقع ہوتی تو ضرور ہی مسلمان اس اصل کو اپنے دعوے کے ثبوت میں ضرور محفوظ رکھتے!

رہی یہودیوں کی بات، توانہوں نے اپنی مقدس کتاب کی حفاظت اور دیکھ بھال میں یہاں تک مبالغہ آمیز کوشش کی کہ تورات کے سارے حروف کلمے، جملے، آیات، والواب گن گن کر محفوظ رکھ لئے تاکہ زیادتی وکمی کو فوراً معلوم کرلیں۔

ایسی مبالغہ آمیز صحت کے بعد بھی تحریف کا شوشہ چھوڑنا نادانی کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ آج بھی الکتاب کے ہزاروں قدیم و جدید نسخے موجود ہیں اور کم و بیش سب کے سب قریبًا ظہور حضرت محمد سے بیشتر کے ہیں۔ کیوں نہ ان کی تفتیش کرا کے اپنی غلطی درست کرلی جائے اور تہمت تحریف و تبدیل سے بچا جائے۔ اور ایک ایسی کتاب کے مقابلہ میں جو دشمنوں سے بھی محبت کرنے کا درس دیتی ہے اور انسانوں میں خدائے پاک کی صفتیں پیدا کرنیوالی کتاب ہے، جہاد بولنا کیسی نادانی ہے۔ وہ تو منزل من اللہ ہے اور ابد تک انسان کو سیدھی راہ دکھاتی ہی رہیگی، کیونکہ یہی تو اس کے نزول کی غرض و غایت ہے۔

بحث اوّل کی

تیسری فصل

کتابِ مُقدّس کی تاریخی صحت کے ثبوت میں

توراتؔ و انجیلؔ زمانہ کی قید و بند سے آزاد اور بحث سے بلند ہیں اور یہ مسلم ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب ہے نہیں جو ایسی بے مثل اور جانی مانی ہو اس کا تو تاریخ سے بڑھکر اور سچّا گواہ کون ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آیئے یہ فیصلہ ہم اسی پر چھوڑتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ کتابِ مُقدّس دو طرح کی نبوّتوں پر مشتمل ہے جن میں کی اکثر تو پُوری ہوچکی ہیں اور جو باقی بچی وہ بھی وقت آنے پر پُوری ہوں گی۔ خدا نے اپنے نبیوں کی زبانی بہت سے بادشاہوں کا انحطاط اور بہت سی حکومتوں کا زوال بتایا ہے۔ بڑے بڑے شہر کھنڈر بن گئے — ان کی

حالت ایسی ہوگئی جو خواب میں بھی نہیں سوچی جاسکتی تھیں۔ ناحوم نبی نے اسور قوم کے دارالحکومت نینوہ کے خلاف تباہی کی پیشینگوئی کی تھی، اس شہر کی فصیلیں سو فٹ بلند تھیں اور ان کا گھیرا ساٹھ میل کا تھا۔ دیواروں پر پندرہ سو برجیاں جن میں ہر ایک کی بلندی دو سو فٹ تھی تو حالت تھی اس کی عظمت کی جسطرح نبی نے پیشگوئی تھی حرف بہ حرف اسیطرح تباہ ہوگیا۔

یسعیاہ اور یرمیاہ نے کلدانیوں کے دارالحکومت بابل کی تباہی کی نبوت کی تھی۔ پیشینگوئی کے ایکسو ساٹھ سال بھی نہ گزرے تھے کہ بابل کبریٰ ایسا تباہ ہوا کہ زنفون اور ہیرودوتس مورخوں کے مطابق بالکل نبیوں کے مطابق تباہ ہوگیا۔

صور کے بارے میں حزقی ایل کی نبوت بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ اسیطرح ہوئی جیسے کہی گئی تھی! نبوکدنضر نے صور کو تباہ کیا۔ تیسری آیت میں نبی کہتا ہے کہ بہت سی قومیں اسکے خلاف کھڑی ہونگی، چوتھی میں کہ وہ اوسر چٹان بنکر رہ جائیگا۔ پانچویں میں ماہی گیر کا جال ڈالنا، بارہویں میں اسکے کھنڈر سمندر میں ڈالے جائیں گے۔ چودھویں اور اکیسویں آیات یہ بتاتی ہیں کہ وہ پھر کبھی اُٹھ نہ پائیگا اس کا زوال تو اٹل ہے۔

۵۷۳ قم سے ۵۸۵ قم میں جب بابل کے بادشاہ نے آخری یورش کی تو اسے پتہ چلا کہ صور کے باشندے بھاگ کر سمندر کے ایک جزیرہ میں پناہ گزین ہیں جو نصف میل پر تھا ت اس نے اسے زمین کے برابر کردیا ــــــ

حزقی ایل کی نبوّت پوری ہوئی۔

تب سکندر اعظم نے باغی نو آبادی کو گھیرے میں لے لیا اور پُرانے کھنڈروں سے ساٹھ میٹر کا ایک سمندری راستہ بنا کر اسے فتح کیا اور بہ مطابق ۲۶ : ۴، ۱۴۔ اسے اوسر چٹان بنا کر چھوڑا۔ گو کہ صور کی فتح سے سکندر کے یلغار نہ رُکے اور حملوں پر حملے ہوتے رہے، انتی گورآس کے ہاتھوں ۳۱۴ قم اور بعد میں بطلیموس نے ۲۸۵ سے ۲۴۷ قم ساری تجارتی و سمندری طاقتوں کو ختم کردیا۔ بعدہٗ ۱۲۹۱ء میں مسلم فتوحات نے اسے ایک دم تباہ کرکے رکھ دیا اور بقول ابن بطوطہ وہ ویران ہوچکا تھا۔

اپنے دنوں میں حزقی ایل نے صور کو ایک عظیم الشان آبادی کی صورت میں دیکھا تھا۔ جنھوں نے اسکی نبوت سنی اور صور کی شان و شوکت دیکھی تھی وہ اس تباہی کی بات کو حزقی ایل کا ہذیان کہتے رہے، انسانی عقل کے مطابق تو امکان نبوت سات سال ہی میں ختم ہوا باقی پیشینگوئیاں آنیوالے وقت کے ساتھ ساتھ پوری ہوئیں۔ اس طرح خداوند خدا کا فرمانا کہ :

"دیکھ اے صور میں تیرے خلاف ہوں بہت سی قومیں آکر تجھے اسطرح تباہ کرینگی ـــــ سمندر کی موجیں آآکر شہر کی فصیل کو تباہ کرکے منہدم کردینگی اور اسے چٹان بنا کر چھوڑینگی۔" (حزقی ایل ۲۶ : ۳، ۴)

بحث اول کی

چوتھی فصل

آثارِ قدیمہ کے ثبوت

اگر تاریخ نے شہادت دیدی تو آثار قدیمہ بھی گواہ ہیں، جنکو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ کتابِ مُقدس تو سدا سے نکتہ چینی کا نشانہ بنی رہی' اور ملحدوں' کا فزول کیطرف سے اس پر شدید حملے ہوتے رہے۔ یہ ان کے مخرب فلسفہ کا نتیجہ تھا۔ انکی ساری کوششیں اس بات کی بھیں کہ کسی نہ کسی طرح کتابِ مُقدس کو جھوٹا ثابت کیا جائے، اسکے لئے انہوں نے اپنا میدان عمل فلسطین، بابل، اسور اور مصر کو بنایا۔ انھوں نے یہ کوشش کی کہ یہ ثابت کریں کہ بائبل ایک طرح کا معجون مرکب ہے منحرف روایات و اقوال کا۔ لیکن خدا نے ان کی نیتوں کو ناکام کردیا اور ایسی آثاری دریافتیں مہیّا کردیں جو الہامی کتابوں کے مطابق پائی گئیں۔ حالانکہ ان روایتوں کے راوی بُت پرست اشخاص تھے۔

برادرانِ اسلام نے جب دیکھا کہ چونکہ کتب تورات و انجیل بہت کچھ

مخالف ہیں قرآنی تعلیمات کے تو انھوں نے الزام تحریف لگا کر جان چھڑانے کی کوشش کی اور یہ دعویٰ کردیا کہ قرآن سے جو تعلیم مخالف ہیں وہ سب کے سب غلط و محرف ہیں۔ اچھا تو یہی ہوتا کہ مسلم حضرات یہی بات ثبوت کے ساتھ دیتے! چونکہ آثار قدیمہ کی شہادتوں نے لاخدائی کی بہت سی باتوں کو غلط کردکھایا لہذا مَیں اب آثار قدیمہ کی طرف رجوع کرتا ہوں:

ملحد نقادوں نے دو حقائق ملحوظ رکھے۔

ایک تو یہ ثابت کرنیکی کوشش کی کہ لکھنے کا فن ان دنوں نامعلوم تھا اور اگر کہیں تھا بھی تو بہت خال خال تھا اور فلسطین میں تو ۵۴۰ ق م میں بالکل ہی نہیں تھا نتیجہ انھوں نے یہ نکالا کہ موسیٰ وغیرہ نے تحریر کا استعمال کیا ہی نہیں تھا۔

دوسری بات جس کا انہوں نے مطالعہ کیا وہ یہ تھا کہ قدیم مشرقی تمدن کو بہت بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ہے کہ معاصر مؤرخین کی تحریروں سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی۔

لیکن نئی دریافتوں سے پتہ چلا ہے کہ پاک نوشتوں کے بیان ہی صحیح ہیں علماء نے فلسطین، بابل، اسور و مصر کی کھدائی کی۔ ان کے سامنے یہی خیال تھا کہ وہ ثابت کردیں کہ پاک نوشتوں کے بیانات غلط ہیں۔ لیکن انھوں نے دیکھا کہ بات بالکل الٹی ہے۔ سنخرب، تگلت پلاصر اور نبوکدنصر جن حوادث اور

تمدن کی باتیں کرتے ہیں وہ سب یہی بتاتی ہیں کہ رسم الحروف اور خط خوب رائج تھے جیسے یسعیاہ، یرمیاہ حتیٰ کہ موسیٰ نے استعمال کیا۔ اور خدا کے کلام کی گواہی کھنڈروں نے کردی۔ نیز یہ بھی کہ حزقی ایل، موسیٰ بلکہ ابراہیم کے بھی زمانے یعنی ۲۲۲۴ ق م بھی لکھنے اور رسم خط کا رواج تھا ویسا ہی تھا جیسے آج ہے۔

آیئے ہم چند بڑے بڑے واقعات کی طرف آپ کو لے چلیں جن کا ذکر توراۃ نے کیا ہے اور آثار قدیمہ بھی جن کے گواہ ہیں۔

برٹش میوزیم میں رکھی اصل تختیاں پیدائش عالم کا ذکر کرتی ہیں جو بائبل کے بیان کے مطابق ہی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ وہاں خرافات و اساطیر کی آمیزش بھی ہے۔ یہ صاف بیان ہے کہ بشر کا ایک جوڑا تھا جنھیں خداوند خدا صاحب وجاہت نے خلق کیا تھا۔ بابل کے ستون میں ہمارے اجداد اول آدم و حوا کی تمثیل ملتی ہے جن کے درمیان سانپ و درخت دکھائے گئے تو اکے پیچھے بالکل کتاب پیدائش کی طرح!

طوفان کی کہانی کو بھی یہ علما، خرافات کہتے تھے لیکن دریافت کے بعد انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا' تب انھوں نے اعتراف کیا۔ طبقات الارض کے ماہروں نے برٹش میوزیم کی تختیاں پڑھیں جن میں طوفان نوح کا تذکرہ ملا۔ کشتی کا بننا اور سارے چرند و پرند اور کچھ لوگوں کی حفاظت کی گئی بارش کی کثرت و سیلاب سے۔ پھر انسانوں اور حیوانوں کی ھلاکت کا تفصیلی

بیان ملتا ہے!

ہر براعظم میں بحری اصداف بکثرت ملتے ہیں جو ہر جگہ پہاڑوں، گھاٹیوں اور خاصکر سمندری علاقوں ہیں، انھیں ہر کوئی دیکھ سکتا ہے اور میوزیموں بھی ہوتے ہیں جو طوفان کی حقیقت کو سچ ثابت کرتے ہیں۔ اگر طوفانی سیلاب نہ آیا ہوتا تو یہ چیزیں بہہ کر سمندروں سے دُور دُور کی پہاڑیوں پر اور وادیوں میں کیونکر پہنچ جاتیں؟

نینوہ کی کھدائی کے دوران ایک ماہر آثار مسٹر اسمتھ کو ایک تختی ہاتھ لگی جو اسوقت برٹش میوزیم میں ہے' اس میں زبانوں کے اختلاف اور برج بابل کی تعمیر کا ذکر ہے (پیدائش ۱۱ باب۔

انھیں صاحب کو اسور کے خرابوں سے ایک لوح ملی ہے جس میں سدوم و عمورہ کی بربادی کا حال درج ہے۔ جس کا ذکر پیدائش کے انسویں باب میں ہے۔ کدرلاعمر، عیلام کے بادشاہ اور اسکے اتحادیوں کی فلسطین پر یورش کا ذکر ہے۔ امرافل شاہ سنحار کا بھی ذکر ہے جو پیدائش کے چودھویں باب میں مذکور ہے۔

پلوتارخ اور ہیرودتس مورخوں نے کہا ہے کہ مصر میں شراب کا وجود اور چلن نہیں تھا موسیٰ کے زمانہ میں لیکن دریافتوں سے واضح ہوا ہے کہ یہ مورخین غلطی پر تھے۔ موسیٰ صاحب شریعت بالکل صحیح تھے۔ مصر کے مزاروں سے بھی

جو تصاویر ملی ہیں ان میں شراب کی کشیدگی کا منظر، پیپے، بوتلیں وغیرہ دکھائی گئی ہیں جن پر "ارب" یعنی شراب لکھا ہوا ہے۔ یوسف کے عہد کے قحط کا بھی ذکر ہے۔

مصر سے ملے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رعمسیس اعظم نے پھیتھوم اور، رعمسیس کی تعمیر کروائی اور وہاں کے پردیسیوں کو نکال باہر کیا۔ (خروج ۲ : ۱۱)

تھیبس کے مقبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی تھے جو حالتِ غلامی میں کام پر لگائے گئے تھے۔ خاموش گواہوں میں سے ایک سنگ مرمر کا ٹکڑا جسے موآبی پتھر کا نام دیا گیا ہے جو آگستین کلائن ایک جرمن کی دریافت ہے جو اس نواحی میں ایک عرصہ تک خدمت کر رہے تھے اور بیس سال تک انگلش چرچ مشن کے قاہرہ میں سکرٹری رہ چکے تھے اور کئی قدیم زبانوں کے ماہر تھے ان کی اس سنگ مرمر کی دریافت نے یعنی یردن پار موآبی ۸۹۵ ق م نے تیس سطری فنیقی زبان میں میشا شاہ موآب، .... اور عمری شاہ اسرائیل اور ادمیوں کی باہمی جنگ کا پتہ چلتا ہے جو ۲ سلاطین ۳ : ۴، ۲۷ میں بھی ملتا ہے مع دیگر بائبل کی تفصیلات کے۔ جس کا ذکر طویل اس مختصر رسالہ میں ممکن نہیں۔

مزید برآں یروشلیم میں سیلوآم ملا ہے جو ۲ سلاطین ۲۰ : ۲۰ اور ــــ

۲ تواریخ ۳۲ : ۳۰ اور یسعیاہ ۲۲ : ۹، ۱۱ میں ذکر ہے۔ حزقیاہ بادشاہ اسرائیل نے جیحون اعلیٰ کے سوتے کا رُخ موڑ کر اسے بہایا تھا جو بہہ کر تحت الارض شہر داؤد کے مغرب جانب بہایا گیا تھا۔

نینوہ کے خرابہ میں ایک لاٹ ملی ہے جس میں سارگن شاہ سور اور شاہ اشوری اشدود کے درمیان کی جنگ کا ذکر ملتا ہے جو حزقیاہ کے دور میں لڑی گئی اور جسکا ذکر یسعیاہ ۲۰ : ۱ میں آیا ہے، یہ لنڈن میں موجود ہے۔

ایک اور شش پہلی لاٹ ملی ہے جسمیں قصہ حصار یروشلیم کا ذکر ہے جو سنحریب شاہ سور نے ۷۰۵ ق م مطابق ۲ سلاطین ۱۸ : ۱۳ و ۱۶ ہے۔ لندن میں موجود ہے۔ اس طرح کا شور آثار قدیمہ کا ثبوت ہے کتاب مقدس کی صحت کا!

پھر ہم بہت سے مخطوطات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جو یورپ کی لائبریریوں میں موجود ہیں، یہ مخطوطات چمڑے کے اوراق پر ہیں زبان ان کی یونانی ہے جو ایک اور زبردست ثبوت ہے کتاب مقدس کی صحت کا۔ یہ مشتمل ہیں دونوں عہد ناموں (جدید و قدیم) پر انجیل بھی ان میں شامل ہے مثلاً واتیکانی نسخہ جو ہجرت سے دو سو سال پہلے کا ہے۔

دوسرا سینائی نسخہ جو پوری بائبل پر مشتمل ہے اور ہجرت سے دو سو سال پہلے کا ہے جو برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

تیسرا نسخہ سکندریہ والا ہے جو لندن میں ہے اور دو سو سال قبل

ہجرت کا ہے۔ تورات وانجیل پر مشتمل ہے۔

چوتھا نسخہ افرائیمی کہلاتا ہے جو پیری میں ہے اور ڈیڑھ سو سال قبل ہجرت کا ہے اور انجیل پر مشتمل ہے۔

پھر قمران کے طوامیر ہیں۔ محمد الدیب بدوی نے بحر مردار کے نواح میں بکریاں چراتے ہوئے ۱۹۴۷ء میں اسے دریافت کیا، اس کی ایک بھیڑ پہاڑ پر چڑھ گئی تھی اس نے ایک پتھر لڑھکایا اور وہ آکر مٹی کے ایک گھڑے پر گرا، برتن ٹوٹنے کی آواز نے چرواہے کو دریافت حال پر اکسایا وہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور ایک کوہی دراڑ میں اسے وہ خزانہ ملا جو ساری دنیا کے لئے بیش قیمت ہو گیا۔

ان طوماروں میں کتاب مقدس کے جو صحیفے دستیاب ہوئے ان میں یسعیاہ سنتشہ قائم ہے اور موجودہ صحیفہ کے مطابق ہے جس نے سارے دعوائے تحریف کے پرخچے اڑا دیئے۔ ان طوماروں کو ڈیڈسی سکرول یا قمران کے طومار کہا جاتا ہے۔

اس قیمتی انکشاف نے کتاب مقدس (بائبل) کی صحت، امانت اور وثوق پر اپنی مہر لگا دی ہے کہ بالضرور روح القدس نے مسیح کے کثیر اسرار و رموز کو بہ حفاظت ہم تک پہونچایا ہے۔

آج تو مسیحیوں کے پاس ان نسخوں کے علاوہ بھی ہزاروں نسخے دریافت

کرلئے گئے ہیں جن میں کے اکثر قبل اسلام کے ہیں اور کچھ عصر محمد کے اور کچھ بعد کے زمانے کے ہیں۔ تین سو سے زائد نسخے تو ایسے ہیں جن میں پوری کتب تورات اور پوری کتب انجیل موجود ہیں اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ سب کے سب موجودہ بائبل کے مطابق ہیں۔ یہ سب دعوتِ تحقیق دے رہے ہیں مسلم علماء کو کہ آکر دیکھیں، تحقیق کریں، پھر تزویر و تحریف کی بات کریں۔ ہمیں تو ایک بھی ایسا مسلم عالم نہیں نظر آتا جو اپنے دعوائے تحریف کو ثابت کرنیکے لئے تفتیش کی زحمت اٹھائے ہو۔ اختصار ملحوظ ہے ورنہ بڑی تفصیل ملتی ہے کتب مقدسہ کی صحت وامانت کی۔

دُوسری بحث

آیا قرآن نے بائبل کو منسُوخ کر دیا ہے؟

جب مسلم گھوڑی کی جولانی کم ہوئی تحریف کا ثبوت پیش نہ کر سکنے کے سبب تو اسکی جولانی کا رُخ مڑ گیا۔ اسکو یہ تو ماننا پڑا کہ بائبل میں نہ تحریف ہوئی ہے نہ تبدلی وہ تو منزل من اللہ ہے برائے ہدایت و روشنی راہ' تو انھوں نے تنسیخ کا دعویٰ قائم کر دیا! ۔۔۔ حالانکہ یہ دعویٰ بھی تحریف کے دعوے کی طرح بے ثبوت رہا اور اسکی خام خیالی کی حیثیت رہ گئی کیونکہ قرآن تو مسلم بھائی کی مدد کرنے سے خود کو قاصر پاتا ہے۔ کیونکہ اس نے ایسا دعویٰ تو کبھی نہیں کیا' بلکہ علی رؤس الاشھاد زبان سہل اور آسان عربی یہ کہہ گیا کہ میں تو خود اسکی تصدیق کرنےکی غرض سے آیا ہوں اور میرے مقاصد میں سے ایک مقصد

اسکی حفاظت بھی کرنا ہے۔ (سورہ بقرہ ۳۸، ۹۱، آل عمران ۵، ۷، ۲، نسار ۵۰، یونس ۳۸، اور مائدہ ۵۲، ۲، ۷ آیات) کے آگے کوئی بھی عاقل عالم دعوائے تنسیخ کیسے کر سکتا ہے درآنحالیکہ اسکے پاس ایک ثبوت بھی موجود نہ ہو۔

لیکن بعض مسلم بھائی بغیر اس مشکل کا اندازہ لگائے صرف حُجّت کی غرض سے، شاید دوسروں کی زبانی محض سُنکر دعوائے تنسیخ کر بیٹھتے ہیں اور جب ہم تحریف کی طرح ہی ان سے اس امر کا ثبوت دیکھنا چاہیں تو جواب میں کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن میں نازل ہوا ہے' اسلیئے اس نے انجیل و تورات کو منسُوخ کر دیا ہے لہذا اب بائبل کی ضرورت ہی کہاں رہ گئی ہے۔

کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن ایسی کتاب ہے جو ساری باتوں کو محتوی ہے اسلیئے مسلم کو اب کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نری عقلی دلیل ہے اور قرآن ایسی دلیل کے خلاف ہے!

سات مذکورہ آیات کے علاوہ دسوں اور بھی آیات ہیں جو بتاکید یہ کہتی نہیں تھکتیں کہ وہ مصدق و مہیمن' حافظ اور نگہبان ہیں تورات و انجیل کی۔ اور کوئی بھی آیتِ قرآنی تنسیخ کتاب مقدس پر نہیں! ۔۔۔ بلکہ اعلانیہ پکار رہی ہیں کہ:

"اے اہل کتاب تم کسی بنیاد پر نہیں اگر تم تورات و انجیل پر عامل نہ ہو۔"

یعنی حضرت محمد کی معرفت یہود و مسیحی کو اپنی کتابوں کی اقامت و عمل پر
قرآن نے ابھارا ہے ان سے ان پر ایمان و عمل کے طلبگار رہیں اور قرآن نے
یہ کبھی دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ میں مشتمل ہوں تورات و انجیل پر! برخلاف اسکے
شعرآء ۱۹۳-۱۹۶ کے ذریعہ یہ حکم دیا ہے کہ :

"روح الامین نے اسے تیرے قلب پر اُتارا ہے تاکہ
سادہ زبان عربی میں تو (اے محمد) ڈرانے کا فرض
انجام دے کیونکہ وہ (قرآن) سابق اُمتوں کی کُتب
(تورات و انجیل) میں ہے ______"

اس طرح آیت کا آخری حصہ قرآن کو الٹا بتاتا ہے کہ زبرالاولین پر مشتمل ہے۔
تو اب مسلم دوست کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ایسا دعویٰ بے ثبوت پیش کرے اور کہے
کہ تورات و انجیل قرآن میں پائی جاتی ہیں۔ تصدیق کتب مقدسہ کے بعد قرآن کی
خاموشی اس پر ہرگز دلالت نہیں کرتی کہ انہیں منسوخ کر دیا ہے۔ ایسا اگر ہوتا تو
ببانگِ دہل اسکی تنسیخ اور اس سے بے پرواہی کا اعلان کردیتی ضرور بالضرور!
اسکے برخلاف قرآن نے یہ چیلنج دے دیا کہ :

"تم سے اگر ہو سکے تو ایسے خدائی کتاب لاکر دکھاؤ
جو ان دونوں (تورات و انجیل) سے زیادہ ہدایت
دینے والی ہو، تو میں خود اسکی پیروی کرونگا" (قصص ۴۹)

دُوسری غور طلب بات یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں عبرانی اور یونانی جیسی
پردیسی زبانوں میں تھیں اور ان ہی اقوام کی ہدایت کیلئے تھیں جبکہ عرب
بیچارے ان زبانوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ان کے مفہوم سے وہ بھی واقف
ہو جاتے اس لئے قرآن کو سادہ عربی میں نازل کیا :

"قرآن سے پہلے ___ موسیٰ کی کتاب ہے جو امام
و رحمت ہے درآنحالیکہ یہ کتاب (قرآن) ان کی
تصدیق عربی میں کرتی ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے
اور نیکو کاروں کو خوشخبری دے" (احقاف ۱۱)

کیا اے مسلم دوست! اب بھی تم ایسے دعوے پر قائم ہو جیسے تنسیخ کا دعویٰ
ہے۔ کیا اب بھی نہیں مانتے کہ دونوں کتابوں "تورات و انجیل" کے احکام تا قیامت
ثابت ہیں اور ان کے حدود بھی اسی طرح قائم ہیں۔ ایمان لاؤ ان پر تاکہ
تم بھی مخلصی اور سعادت کے حقدار بنو!

تیسری بحث

سب نے گُناہ کیا حتیٰ کہ انبیاء بھی نہ بچ پائے

خدانے تو انسان کو پاک و بیگُناہ پیدا کیا تھا اور اسے باغِ عدن میں رکھا تھا جہاں اُسے خدا کی عبادت سے کوئی شئے نہیں روکتی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ انسان نے اپنے پروردگار کے حکم کو ٹھکرایا اور اس درخت کے پھل کو کھالیا جس سے اُسے منع کیا گیا تھا۔ نتیجہ میں ہر برکت کھو بیٹھا۔ چونکہ آدم اپنی ذرّیت کا نائب ہے تو اس سے خدا نے عہد و پیمان لیا، لیکن اس نے اپنی نافرمانی کے سبب پروردگار سے منھ موڑا، اور اسکی ذُرّیت و نسل نے بھی وہی چلن پکڑا۔ آدمؔ نے آزمائش کو لپٹا لیا اور گناہ میں گر پڑا، ہم نے جو آدم کی نسل و اولاد ہیں ...... اسکی کمزوری کو وراثت و جبلت میں پایا، کمزوری ہماری فطرت کا ایک جزء لاینفک بن گئی۔

ہم سے تو آدم کے گُناہ کی باز پرس نہیں کی جاتی۔ کیونکہ ہم بھی گناہ میں گرے

جان بوجھ کر۔ خدانے جو کچھ منکرات تھی اس سے ہمیں بھی منع کیا تھا مگر ہم نے ان کا عملی طور پر ارتکاب کیا، جیسے آدم نے کیا تھا!

ہماری بات کی ایک حدیث تصدیق کرتی ہے :

"آدم نے حکم سے سرتابی کی اور اسے توڑا، اسکی ساری ذرّیت و نسل نے بھی توڑا۔ آدم نے بھول کر درخت سے کھایا، اسکی ذرّیت و نسل نے بھی کھایا اور خود کو بھول کا شکار بنادیا۔ آدمؔ نے خطاکی، تو اسکی ذُرّیت بھی خاطی ہوئی"

اس کو ترمذی نے روایت کی اور اسے صحیح کہا ہے۔

مختصر یہ کہ آدم کی نمائندگی ذرّیت ایک حقیقت ہے مسلم علماء کے نزدیک بھی۔ شیخ عربیؔ نے اس حدیث پر اپنی کتاب کے ۳۰۵ ویں مقالہ میں بحث کی ہے اور ایک مقالہ قلم بند کیا ہے۔ اب جبکہ آدمؔ نے کہ جسے خدانے پاک و طاہر پیدا کیا تھا، اپنے رب کی نافرمانی کر ڈالی تو ہم جو اسکی کمزور نسل ہیں، ہم سے بہت زیادہ ممکن ہوگیا سرتابی کرنا۔ اسلئے ہم سب نے گُناہ کیا ہے اور خدا کی رحمت و جلال سے محروم ہو چکے ہیں۔

تاریخ اور تجربے بھی اسی بات کے گواہ ہیں کہ انسان کا دل بد اور خراب ہے ہمارے دل کی بھی تو یہی گواہی ہے کہ ہم بُرے ہیں اور ہمیشہ بدی کی طرف مائل

رہتے ہیں۔ قرآن کی آیت بھی ہے :

" وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء ۔"

(یعنی میں اپنے نفس کو "بالذات" بری اور پاک نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو ہر ایک کا بری بات ہی بتلاتا ہے ۔ ـــــ (سورۂ یوسف ۵۳)

یہ تو حال ہے ہمارے نفس کا۔ جب بھی اسے موقع ہاتھ آتا ہے تو وہ اپنی بری خواہشوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ہمیشہ سے خواہاں ہے بغاوت و نافرمانی کا' یہ جانتے ہوئے بدی و گناہ ممنوع ہے پھر بھی ہم اپنی ضمیروں و میلانات میں پھنس کر مجبور ہو جاتے اور اسکے مرتکب ہو بیٹھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ شراب خور شراب کو مضر اور مخرب صحت و دولت مانتے ہوئے بھی اپنے اندرونی جذب کی وجہ سے اسکی طرف مائل رہتے ہیں۔ یہی حال زناکار، چور اور بدگو کا بھی ہے۔ ہمارے روزانہ کا تجربہ بتاتا ہے کہ بری خواہشات و میلانات جنس بشری میں فساد طبعی کا باعث ہیں۔ وہ ہمیں جکڑ لیتے اور ہم سے ہمارے خالق کی مرضی اور حکم کے خلاف کام کروا لیتے ہیں۔ ہم تو کسی ایسے شخص کو جانتے نہیں جس میں یہ کمیاں اور کمزوری نہ ہو! (سوائے یسوع مسیح کے جس پر ہم بعد میں غور کرینگے۔)

ان النفس لامارۃ بالسوء والی آیت گواہ ہے کہ سب گنہگار و خاطی ہیں۔ رازی نے امارہ کا مطلب بدی کی طرف مائل بتایا ہے، گناہ کا شوقین' لذتوں کا خواہشمند، دنیوی عالم اور چیزوں کی طرف نزول زیادہ،

اور عالم بالا کی طرف صعود و رجوع کم، اسکی صفت ہے۔ نفس میں الف لام لگا کر اسے مبالغہ کا صیغہ بنایا ہے۔ تو یہ طے پاگیا کہ نفس، قبائح اور معاصی کی طرف ہی دلی میلانات رکھتا ہے۔

" سب نے گناہ کیا " یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ سورۂ مریم کی اس آیت سے " اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو۔ یہ تمہارے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو ضرور پورا ہو کر رہے گا (۱۷) پھر ہم ان لوگوں کو نجات دینگے جو خدا سے ڈرتے اور (ایمان لاتے ہیں) اور ظالموں کو اسی حالت میں گھٹنوں کے بل اس میں رہنے دینگے "(۷۲)

رازی تو تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ـــــ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ کل کے کل داخل نار ہوں گے۔ کیونکہ حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ :

" اس آیت کے بارے میں رسول سے پوچھا گیا اور میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ ورود کا مطلب دخول ہے یعنی ہر نیک و بد ضرور اس میں داخل ہونا ہوگا ـــ"

جلال الدین نے بھی "واردھا" کا مطلب دخول اور احتراق یعنی گھسنا اور جلنا بتایا ہے، نیز رازی کا قول " فمن ثقلت موازینہ " یعنی پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا یعنی ایماندار گنہگار کو معافی ملے گی!

کیا یہ ساری باتیں اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ ہر شخص گرفتار و مرتکب معاصی ہے، جن میں سے کچھ کو تو تھوڑے عذاب کے بعد معافی ملے گی اور بقیہ کو ہمیشہ کی نار! نیز اس آیت پر کہ "سب نے گناہ کیا . . . . " پر قرآن کی یہ آیت بھی شاہد ہے۔ سورۂ زخرف ۴۳ : ۳۶۔

"جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جائے ہم اس
پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اسکے
ساتھ ہر وقت رہتا ہے ـــــ"

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی یاد کا ہر وقت موجود کرنا انسانی طاقت سے باہر کی بات ہے اسلیے لازم ہوا کہ شیطان اپنی دائمی کوشش میں لگا ہے! جب حضرت محمد سے پوچھا گیا کہ حضور "سب سے بڑا جہاد کون سا ہے"؟ تو بولے کہ " اپنی خواہشوں سے لڑنا ہی جہاد اکبر ہے "

یہ بھی آیا ہے کہ " سب سے بڑا تیرا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے اسی سے طبیعت کا بگاڑ اور دل میں چھپی بدی، اور گناہ کبیرہ و صغیرہ کیطرف میلان و رجحان اور شوق دکھا جاتا ہے۔!

"سب نے گناہ کیا . . . . . . " کی طرف آیت (سورۂ نور ۲۴ : ۲۱) بھی اشارہ کرتی ہے :

" اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی

پاک وصاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک وصاف
کر دیتا ہے ـــــ"

معنی تو اسکے صاف ہیں انسان فاسد و گنہگار ہے، اگر اسکے ساتھ خدا اور اسکی رحمت نہ ہو تو کوئی بھی اسے پاک وصاف و راستباز نہیں بنا سکتا۔ مسلم حضرات نے تو اسکو گناہ کبیرہ مانا ہے کہ کوئی یہ سوچے کہ وہ خدا کے غضب سے بچا رہے گا! یہ بھی ہمارے مضمون یعنی سب نے گناہ کیا ہے، کو ثابت کرتا ہے۔

اسی لئے سب مسیح کی دی ہوئی قربانی اور فدیہ کے محتاج ہیں جو انھیں گناہ سے پاک کر دے، ورنہ جہنم کے حقدار بنکر خدا کے عدل کو بھگتیں گے۔!

مسیحی کا تو یہ ایمان ہے کہ بائبل کے مطابق اس نے گناہ کیا ہے اور فساد و تخریب نے اسے قبضہ میں لے رکھا ہے، اس میں ساری انسانی نسل داخل ہے حتیٰ کہ چونکہ انبیاء بھی آدم کی نسل سے ہیں لہذا وہ بھی عاصی ہوئے۔ لہذا مسیحی یہ مانتا ہے کہ سوائے مسیح کے، سارے انبیاء و رسل، جنکو خدا نے انسان کو ڈرانے کا کام سونپا تھا، ان کے پیغام مکتوب و ملفوظ کو محفوظ رکھا گیا اور اسی لئے خدا نے انہیں پیغام میں غلطی اور بھول چوک سے بچایا روح القدس کی مدد و حفاظت ان کو رہی، اور انھوں نے وہی کیا یا کہا جو مقصود تھا، پھر بھی وہ گناہ کی فطری جبلت سے بری اور معصوم نہیں تھے! اپنے روزانہ کے

کام وزندگی میں بھول لیتے اور چوکتے تھے ! یہ امر بھی انسانی موروثی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کمال وعصمت (بے گناہی) صرف قدوس خدا ہی کو سزاوار ہے !

پھر گُناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، خدا کے غضب اور دوزخ کا مستحق بناتا ہے ــــ قتل ایک ہے، چوری ایک ہے، گالی ایک ہے، یہ سب گُناہ کی قسمیں ہیں، لیکن خدا کے نزدیک سزا ایک ہی جیسی ہے کیونکہ کوئی بھی ہو، وہ نافرمان تو ہے۔ اسی لئے تورات وانجیل کی آیات میں :

"سب گمراہ ہیں، سب کے سب نکمے بن گئے، کوئی
بھلائی کرنے والا نہیں۔ ایک بھی نہیں .... اسلئے
کہ سب نے گُناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم
ہیں ــ" (رومیوں ۳: ۱۲، ۲۳)

حدیث میں ہے کہ :

"اگر کوئی کسی حق کو داہنے ہاتھ سے مارے تو خدا اس
پر آگ فرض کرتا ہے اور جنت حرام کرتا ہے"

کسی نے پوچھا :

"اے خدا کے پیغامبر اگر معاملہ معمولی سا ہو ؟ تو فرمایا
کہ خواہ چھوٹی لکڑی کے برابر ہی کیوں نہ ہوــ")

اب ہم انسان کی عدم عصمت کی بحث کی طرف لوٹتے ہیں :

مسلم قوم عصمت انبیاء کے معاملے میں یک زبان نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں ہر طرح کے گُناہ سے، کسی نے کہا سنِ بلوغ سے وہ معصوم مانے جاتے ہیں، لڑکپن میں گناہ کا ارتکاب ممکن ہے۔ کسی نے کہا وہ معصوم ہیں صرف تبلیغ رسالت میں، مگر دیگر امور میں معصوم نہیں ہیں (یہ رائے شیخ محمد عبدہ کی ہے)۔

اسکے باوجود قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ ــــ اکثر انبیاء مرتکب گُناہ ہوئے، صغیرہ ہی کے نہیں بلکہ کبیرہ کے بھی۔ مسلم کہتے ہیں کہ گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں بڑے اور چھوٹے، پھر کہتے ہیں کہ صغائر تو معاف کئے جائینگے مگر کبائر یعنی گناہ عظیم کی معافی نہ ہوگی۔

کبائر سے وہ کفر مراد لیتے ہیں اور صغائر کے ارتکاب پر برابر لگے رہنا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ اپنے آپکو خدا کے غضب سے محفوظ سمجھنا، جھوٹی گواہی، مسلمانوں کے خلاف بدنامی کرنا، جھوٹی قسم، جادو، نشیلی چیزوں کا استعمال، یتیموں کے مال کو ہڑپ کر لینا، سود، زنا کاری، اغلام بازی کی جیسی حرکتیں، چوری، قتل، جنگ میں پیٹھ دکھانا، والدین کے خلاف حکم عدولی۔ یہ سترہ گناہ ہیں جو کبیرہ کی قسم میں آتے اور ناقابل معافی ہیں۔ کوئی بھی توبہ نہ کرے ان کے ارتکاب کے بعد تو نار جہنم میں سزا کا حقدار ضرور

ہو گا۔ ان کے علاوہ سارے گناہ صغیرہ یعنی چھوٹے کہلاتے ہیں۔

آدمؑ نے خطا کی (سورہ طٰہٰ ۱۱۹) اور گمراہ ہو گیا۔ مفسروں نے لکھا ہے کہ درخت کے کھانے سے انھوں نے خدا کی نافرمانی کی۔ انہیں (آدمؑ و حواؑ) کو حکم تھا کہ درخت کے قریب نہ پھٹکنا، ورنہ دونوں ظالموں میں گنے جاؤگے۔ (سورہ بقرہ ۳۳) بیضاوی نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ وہ مطلوب سے پھر گئے اور نامراد ہوئے۔ درخت کا پھل انہوں نے ہمیشگی حاصل کرنے کیلئے کھایا تھا، اور علم الٰہی سے سرتابی کی، دشمن کے دھوکے میں آگئے!

امام رازی نے تو آدمؑ و حواؑ کی گنہگاری تسلیم کر لی ہے لیکن اس قید کے ساتھ کہ یہ بات نبوت سے پہلے کی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور بھٹکے بھی لیکن درخت کا پھل کھانے کے بعد انہوں نے چونکہ توبہ کی اسلئے اس کا شمار نہیں ہوتا! لیکن رازی نے یہ ثابت نہیں کیا کہ یہ ارتکاب حصولِ نبوت سے پہلے ہوا۔ یہ انہیں کہاں سے معلوم ہو گیا؟ انھوں نے کہا ہے کہ بعد توبہ شمار میں آیا۔

ہم اسے مانے لیتے ہیں مگر اس سے ان کے عاصی و غاوی ہونیکی نفی تو نہیں ہوتی! عصیاں کا شمار کبائر میں ہے۔ سورۂ جن کی آیت ۲۴ :

"جو نافرمانی کرے اللہ اور اسکے رسول کی تو اس کے
نار جہنم ہے"

"اور انھوں نے توبہ کی تو راہ پائی" (طٰہٰ ۱۲)

یہ دونوں آیات دلالت کرتی ہیں کہ آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی اور وہ تائب ہوئے۔ توبہ تو ندامت ہی کا دوسرا نام ہے اور یہ اعتراف کہ کہ اب کبھی خطا نہ کروں گا۔ اور توبہ تو عصیاں کے بعد ہی ہوتی ہے۔ آدمؑ نے خود معصیت کا اعتراف کیا اور کہا:

"دونوں معترف ہوئے اور کہا ہم نے تو اپنی جان
پر ظلم کر ڈالا' اب اے پروردگار تو ہمیں معاف
نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے، تو ہم تو بڑے
گھاٹے میں پڑنے والے ہو گئے ———"

(سورۂ اعراف ۲۲)

یہ تو حال ہے اولوالعزم نبی آدمؑ کا، جنھوں نے شیطان کی بات کو تو مان لیا اور خدا کی بات کو جھٹلایا خلود کی طمع میں، اسلئے خطا کار کبائر تو ہو گئے۔!

حضرت نوحؑ کو لے لیجئے! انھوں نے بھی خطا کی اور جب اس کا احساس ہوا تو کہا: "رب اغفرلی" یعنی طلب مغفرت کی ضرورت محسوس کی، مفسروں نے تو اس آیت کی شدت کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہماری بات کی مخالفت پھر بھی نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم نے بھی خطا کی (سورۂ ہود ۷۶) چاند کو ستاروں کو اور سورج کو کہا یہ میرے پروردگار ہیں بعدہٗ انھیں بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور فرمایا:

"اگر ہمارے خداوند نے ہمیں راہ نہ دکھائی ہوتی
تو میں ظالم لوگوں ہی میں شمار کیا جاتا ——"

سورۂ ابراہیم ۴۲، سورۂ بقرہ آیت ۲۶۲ میں بھی مذکور ہے کہ انھوں نے اللہ کی قدرت پر شک کیا جو کبائر میں ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے: "ہم تو ابراہیم کے شک سے اولیٰ ہیں" یعنی ان جیسے شک کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے حق میں آیا ہے کہ (سورۂ انبیاء ۶۴) ابراہیم نے بُت شکنی کی اور پوچھے جانے پر بولے —— "بڑے بُت نے چھوٹے بت کو توڑا ہے"

حدیث میں آیا ہے کہ "ابراہیم سوائے تین جھوٹ کے کچھ زیادہ نہ بولے دو توں خدا کی ذات میں یعنی "میں بیمار ہوں" اور "یہ ان کے بڑے نے کیا یعنی توڑ پھوڑ کی ہے" تیسرے جب جابر بادشاہ نے سارا کی قربت چاہی تو ابراہیم بولے کہ یہ تو میری بہن ہے"۔ (بخاری)

حضرت موسیٰ سے بھی گناہ سرزد ہوا —— انھوں نے ایک شخص کا قتل کیا۔ (سورۂ قصص ۱۴، ۱۵) شعراء ۱۹ میں ہے کہ "میں نے یہ حرکت کی اور میں

ظالموں میں سے ہوں" سورۂ اعراف ۱۴۹، ۱۵۰ میں ہے کہ موسیٰ نے خدا کی دو لوحیں پھینک کر توڑ ڈالیں، اور پھر ہارون اور اپنے گناہوں کا اقرار کیا، اور طلب مغفرت کی۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے ارتکاب گناہ کے بعد مغفرت مانگی!

حضرت یوسف کے گناہ کا بھی ذکر (سورۂ یوسف ۲۴) میں آیا ہے کہ انھوں نے اپنے آقا کی بیوی کے ساتھ جماع کا ارادہ کیا اور یہ آیت بھی ثبوت میں ہے لنصرف عنه السوء والفحشاء تاکہ ہم اس سے بدی اور فحش کو پھیر دیں۔

حضرت داؤد کی خطا، قتل اور زنا کا بھی ذکر ہے (۲ سموئیل ۱۱، ۱۲۔) احادیث بھی کئی ہیں جن کی روایت انس، ابن عباس اور وہب سے مروی ہے۔

حضرت سلیمان کا گناہ سورۂ ص ۳۰-۳۲ میں آیا ہے مفسروں نے کئی تفسیریں کی ہیں دیکھئے کشاف ورازی، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ گھوڑوں کی دیکھ ریکھ میں کچھ ایسا مصروف ہوئے کہ نماز بھی بھلا بیٹھے جب ندامت ہوئی تو انھیں ذبح کرنے کا حکم دیا —— آیات ۳۳، ۳۴ میں بھی کسی گناہ کی طرف اشارہ ہے اور بعد احساس طلب مغفرت کا بھی بیان ہے۔

حضرت یونس کے گناہ کا ذکر سورۂ صافات آیت ۱۳۹ میں ہے۔ ان کی فراری نافرمانی پر دال ہے انہیں ملامت کے احساس ستا رہے تھے

زینبؓ سے کر دی لیکن ایک دن وہ زینبؓ کے مشتاق ہو گئے اور فرمایا :
سبحان مقلب القلوب ۔ زینبؓ نے اپنے شوہر کو یہ بات بتائی تو وہ
اس کا مطلب سمجھ کر حضرت کی خدمت میں آکر بولے میں اپنی بیوی سے جدائی
کا ارادہ رکھتا ہوں ۔

محمد نے تجاہل برتا اور بولے کیا ہوگیا ہے ؟ کیا تم نے اس میں برائی دیکھی ؟
زید نے نفی میں جواب دیا اور بولے ان کی اعلیٰ خاندان کی حیثیت سے میں
مرعوب ہوں ـــــ تو حضرت نے صلاح دی کہ اپنی بیوی کو رکھے رہو۔ کشاف
جلد دوم ص ۲۱۳ اور یہی بیضاوی بھی لکھتے ہیں اور انہوں نے یہ دکھانے کی
کوشش کی ہے کہ خود انھوں نے زید کی بیوی سے شادی نہیں کی مگر صرف
خدا کا حکم بجا لانے کی غرض سے ۔

عبارت سے تم خود ہی دیکھ لو کہ محمد نے اپنے دل کے میلان والی بات چھپانے
کوشش کی اور خدا نے اس پر ناراضگی ظاہر کی ۔ اس بات کی تفسیر میں رازی نے
لکھا ہے کہ

" تو چاہتا تھا زینب سے شادی کرنا ! انہیں لوگوں کا ڈر
تھا تو یہ کہہ کر خدا نے جھڑکا کہ خدا کا زیادہ حق ہے
کہ اُس سے ڈرا جائے ! ۔"

اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے خدا کا گناہ کیا ، اس معاملہ میں بھی اور ڈر

کہ اگر تائب اور طلب مغفرت نہ کرتے تو قیامت تک شکم ماہی میں ہی پڑے
رہتے ۔

آنحضرت کی خطاؤں کا ذکر سورہ الفتح ۲ ، اور سورۂ محمد ۱۲ میں
اور سورۂ مومن کی ۵۷ آیت اور نسار کی ۱۰۶ میں ہے کہ انھوں نے مغفرت
چاہی ! ـــ اگر رازی و کشاف کی بات لی جائے تو انھوں نے پہلے اپنی ،
پھر اپنا ندار مرد اور عورتوں کے لئے مغفرت چاہی !

کچھ علمار کا خیال ہے کہ نیکو کاروں کی نیکیاں مقرب لوگوں کی بدیوں کے
لئے ہوتی ہیں ۔ اگر کوئی متقی آدمی خدا کی چھوٹی سے بات میں مخالفت کر بیٹھے
تو خدا اسے گناہ کبیرہ شمار کرتا ہے اور اگر ایسا ہوتا ہے کہ وہ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا
اور وہ مرتکب ہو جاتا ہے تو طلبگار معافی ہونا ضروری ہے ۔

مسلم علمار کے خیال میں حضرت محمد کے ساتھ بھی ایسا کچھ ہوا تھا لیکن
یہ لوگ اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ان آیات میں کہنے والا خود اللہ ہے
تو جب خدا ہی کہہ رہا ہے کہ اے محمد اپنے گناہوں کی معافی مانگ پھر دیگر
مسلم و مسلمات کے لئے ، تو کیا خدا اسے جو گناہ نہیں ہے ، گناہ گمان کرتا اور
مطالبہ کرتا ہے ـــ اسکے لئے معافی مانگنے کا ۔

سورہ احزاب ۳۷ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد نے اپنے غلام زید کو آزاد
کر کے جب وہ مسلمان ہو گیا تو اسے بیٹا بنالیا اور اسکی شادی ایک شریف خاتون

کے معاملہ میں بھی کہ جس سے ڈرنا نہ چاہیئے اس سے ڈرے (لوگوں سے) بہ نسبت
خدا کے خوف کے ۔

اس طرح معراج کا بیان ہے (اسرا ر ۷۶) :

"اگر میں تجھکو ثابت قدمی نہ دیتا تو تو کچھ کچھ ان کی طرف
مائل ہو ہی گیا تھا"

رازی نے کہا کہ زجاج کا قول اس امر میں یہ ہے کہ اگر میں تیری حفاظت سچائی پر اڑے رہنے کے سلسلے میں نہ کرتا تو تو . . . . . اسوقت نبی نے کہا (قتادہ کا قول ہے) کہ اے خدا مجھے میرے دل پر نہ چھوڑ چشم زدن کے لئے بھی! ـــ اب کیا یہ آیت اشارہ نہیں کرتی کہ محمد سے خطا ہوئی، یا کم از کم وہ بھی معصوم نہیں تھے کیونکہ انہوں نے خود خواہش ظاہر کی کہ مجھے چشم زدن کے لئے بھی اپنے نفس پر نہ چھوڑا جائے ۔ بخاری اور مسلم کی حدیث میں تو یہ بھی آیا ہے کہ "کوئی تم میں سے ایسا نہیں جو جنت میں داخل ہو سکے سوائے خدا کی رحمت کے!" تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ بھی نہیں یا رسول اللہ! ـــ تو جواب ملا کہ "میں بھی نہیں تا وقتیکہ مجھے خدا اپنی رحمت میں چاروں طرف سے نہ لپیٹ لے"

ابو ہریرہ نے بھی روایت کی ہے کہ :

"میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے سنا کہ میں ستر بار
اپنے خدا سے مغفرت کرتا اور اسکی طرف لوٹتا ہوں"

ایک اور روایت میں تو ستر سے زیادہ عدد بتایا گیا ہے ۔
خالد کی بیٹی اور ابو ہریرہ سے یہ بھی روایت ہے کہ :

"رسول اللہ کہا کرتے تھے کہ اے خدا
میں تیری پناہ میں آتا ہوں قبر کے عذاب
اور نار جہنم سے ـــ" (بخاری)

جس کی دونوں آنکھیں سلامت ہوں وہ دیکھ سکتا ہے کہ اس فصل میں آدم کا گرنا، ان کی نسل کی وراثت اور یہ کہ ہمارا رخ ہمیشہ گناہ کے کاموں میں رہا کرتا ہے اور یہ باتیں ایک شخصی تجربہ بھی ہے! ـــ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ انبیاء کرام بھی گناہ میں گرے، آنحضرت بھی گرے، اسلئے ہر انسان کو سزا اور عتاب شدید سے بچنے کی ضرورت ہے اور ہر ایک کو ایک بے عیب فدیہ اور پاک و طاہر قربانی کی ضرورت ہے جو ہمارے گناہوں کے کفارہ کی خاطر دیا جائے تب ہی ہم عدل خدا اور رحمت خدا دو متضاد چیزوں کا انکی ذات میں اجتماع دیکھ سکتے ہیں اور یہ بات صرف مسیح مصلوب کی موت کے بغیر ممکن نہیں، اسلئے کہ ان کی صلیبی موت ہی ایسا فدیہ ہے جو پاک و بے عیب و بے گناہ ہے اور جس سے خدا راضی بھی ہے ۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مسلم حضرات کیوں نبیوں کی عصمت کے اسقدر شدت سے قائل ہیں جبکہ تینوں کتب منزلہ توریت، انجیل اور قرآن، سراسر اسکے خلاف ہیں اور کسی نبی کا کچھ ایسا دعوی بھی نہیں

بلکہ زبان سے گناہوں کا اقرار اور استغفار ہی سننے کو ملتا ہے۔ کیوں نہ ہم عقیدوں کو اسکے موافق بنالیں!

چوتھی بحث

صلیب

تمہید:

اسلامی اور شہری قوانین کی رو سے گناہ یا جُرم کی سزا اس شخص کی حیثیت عرفی کے مطابق ہوتی ہے جس کا جرم کیا جائے۔ مثلاً اگر ایک طالب علم دوسرے طالب علم کو گالی دے تو وہ معمولی سزا، اگر استاد کو گالی دے تو شاید اخراج مدرسہ کی نوبت آجائے، اگر کسی حاکم کو گالی دے تو سزا اور سخت ہو جاتی ہے۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کرے تو اور شدید اور خدا جو شاہنشاہ ہے اسکے خلاف بغاوت تو شدید ترین اور ناقابل معافی جُرم ہے۔ چونکہ ذات باری لامتناہی ہستی ہے اسلئے سزا بھی لاانتہا ہو جائیگی۔

خدا تو عظیم و عادل ہے اسلئے معمولی سے معمولی گناہ یا جُرم سے بھی وہ چشم پوشی نہیں کرسکتا کیونکہ یہ اس کی قدوس ذات کے بالکل برعکس

چیز ہے۔ سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم ہیں، تو ابلیس کے لئے نارِ خلود کی سزا تو ہے ہی۔ تو اب کے ساتھ ایسا ہی ہو تو خدا کی رحمت کی کیا حیثیت ہوگی؟ خدا اب اگر عاصیوں کو بلا سزا معاف کر دے، تو اسکے عدل کا کیا ہو گا؟ اس لئے الٰہی تدبیر نے اپنا ہی ایک طریقہ نجات نکالا جس سے عدل و رحم یکجا ہو سکیں۔

چوتھی بحث کی

فصل اوّل

صلیب سے خدا کا کیا مقصد اور غرض تھی؟

سیدھا سا جواب ہے کہ عدل اور رحم میں موافقت پیدا کرنا۔ آدم نے نافرمانی کی اور باغِ عدن سے باہر کر دیئے گئے۔ (پیدائش ۳: ۲۳ اور اسکی صدا سورۂ بقرہ ۳۷ میں ہے) اب موت ابدی کے وہ مستحق ہو گئے۔ ان میں خواہشات ردیئہ نے جنم لینا شروع کر دیا برے کاموں کا میلان جڑ پکڑ گیا ان کی اولاد کو یہی خصلت وراثت میں ملی وہ بھی باپ کی ڈگر پر ہو لئے اور زمین برائی سے بھر گئی۔ ہر بشر پر ہلاکت نے سایہ ڈالا اور عدل الٰہی کی تکمیل ہوئی۔ اب چونکہ اس حیثیت میں کہیں سے سُدھار کی امید نہیں تھی کہ بشر اپنی آدم کے گناہ میں گرنے سے پہلے کی پاک حالت میں لوٹ جاتا اور خود کو جنت کے مقدس مقام کے لائق بناتا، جہاں سوائے مقدسین کے کوئی داخل بھی نہیں ہو سکتا!

اب خدا کے لئے ممکن نہ تھا کہ اپنے ہی قانون عدل کے ـــــ کہ گنہگار کو مرنا ہی ہے ـــــ پس و پیش کرتا۔ قانون کو تو اپنی سیرت پر ہی چلنا ہے ـــــ جو جان گناہ کرے گی، مرے گی ـــــ بیٹا باپ کا اور باپ بیٹے کا گناہ نہیں اٹھائے گا۔ نیکوکار کی نیکی نیکوکار پر، اور بدکار کی بدی بدکار پر (حزقی ایل ۲۸ : ۲۰)

اب اگر قانون ساز ہی اپنے قانون پر نہ چلے تب تو انصاف و عدل کا خدا ہی حافظ !

خدا صرف عادل ہی تو نہیں، وہ رحیم بھی ہے۔ عدل و رحمت خدا کی بنیادی صفات سے تعلق رکھتی ہیں۔ خدا کے علاوہ کسی اور میں ان صفتوں کا باہمی اجتماع تو محال ہے !

اب آئیے فدیہ کی طرف ـــــ تو اصلی فدیہ تو وہ ہے جسے مسیح نے صلیب پر چڑھ کر تکمیل کو پہنچایا اور عدل و رحم کی صفات کو یکجا کیا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حقدارِ سزا کو جانے دیتا ! یہ خیال بے انصافی پر مبنی ہے۔ لفظی طور پر تو عدل کا مطلب ہے بے انصافی کے خلاف قدم اٹھانا اور مطلب ہے انصاف کی مساوات جزا و سزا۔ رحم کا لفظی مطلب ہے نرم دلی، فضل و کرم اور معافی۔

خدا چونکہ رحیم بھی ہے اسلئے انسان پر رحم کرنا چاہتا ہے وہ دوزخ سے

اسکی مخلصی کو محبوب رکھتا ہے لیکن عدل کی مخالفت کر کے نہیں، بلکہ فدیہ دیکر۔ فدیہ کی شروعات اسی لئے خونیں قربانی سے ہوئی جس پر موسوی شریعت کا دار و مدار ہے۔ اولاد آدم نے بھی قربانی چڑھائی، شریعت دیئے جانے سے پہلے۔ اور یہ رسم اپنی معنویت لیکر آگے کو چل پڑی حتیٰ کہ موسیٰ کو تفصیلی شریعت ملی تاکہ انسان پہچان لے گناہ کی ناپاکی اور گندگی کو اور اس کی سزا کو، اسکو بچوں کی طرح یہ تربیت دی گئی۔ جانوروں میں پاک و ناپاک کی تقسیم کی گئی اور انھیں سکھایا گیا کہ بنا خون بہائے معافی نہیں (عبرانیوں ۹ : ۲۲)

اسی لئے گنہگار پاک و بے عیب حیوانوں کی قربانی دے کر اُسے آگ پر رکھ دیا کرتا تھا۔ یہ عمل اس بات کا نشان تھا کہ خاطی، موت و عذاب اور ذبح کا صحیح طور پر حقدار ہے لیکن ذبیحہ فدیہ کے ذریعہ معافی ملتی ہے اور اس طرح ہر ذبیحہ مسیح کی کامل قربانی اور ذبح عظیم کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ کوئی بھی انسان فدیہ دینے کے لائق نہیں، اگر اسکی قیمت میں مساوات نہ ہو۔

جب وقت پورا ہوا تو خدا نے مسیح کلمۃ اللہ کو بھیجا جس نے انسانی بدن اختیار کیا اور بالکل ہر طرح سے انسان بن گیا اور بہت سی چیزوں میں شراکت اختیار کی سوائے گناہ کے اور ـــــ کہ اسکے منہ میں کوئی فریب نہ تھا۔ مسیح نے خود کو فدیہ و قربانی کی شکل میں صلیب پر پیش کر دیا، ہم انسانوں کی خاطر اور مکمل بشر کیلئے اس نے مساوی کفارہ دیا اور خدا کے عدل و رحم میں

میل ملاپ کرواکر خدا اور عاصی انسان کی جُدائی بھی رفع کردی۔ ان میں بھی میل ملاپ ہوگیا۔ (زبُور ۸۵/۱۰)

یہ خلاصی ہر ایک کو مل سکتی ہے جو مسیح مصلوب پر ایمان رکھتا ہے کہ اس کے فدیہ نے میرے گناہ مٹا دیئے اور حسب اوامر توریت و انجیل زندگی بسر کرتا ہے۔

چنانچہ معلوم ہو کہ مسیح کو صلیبی موت ملی بحیثیت انسان، نہ کہ خدا کی حیثیت سے جیسا کہ بعض مسلمان سمجھتے ہیں اور بے سوچے سمجھے اعتراض کی بوچھار کرتے ہیں ___ ہمیں اب اسکی ضرورت نہیں کہ اسلامی شریعت اور دیگر مذاہب کی کوئی قربانیوں کی تاکہ گناہ بخشے جائیں اور ثواب حاصل کیا جائے اور اس طرح سے خدا کا مقبول بن جایا جائے۔

بقرعید کی قربانیاں سارے عالم میں جو منائی جاتی ہیں صرف گوشت کھانے کیلئے نہیں، لیکن وہ ایک یادگار ہے برائے حصول کرم الٰہی جیسے ابرہام نے اپنے بیٹے کے عوض، مینڈھے کی قربانی کی صورت میں دی تھی اور جس کے بارے میں قرآن کے مطابق خدا نے فرمایا تھا:

"وفدینٰہ بذبح عظیم" (صافات ۱۰۷)

چنانچہ ساری قربانیاں معافی کے حصول کے لئے ہوتی ہیں۔ اسے آنحضرت نے بھی معتبر ٹھہرایا ہے اور ذبیحوں کے خون کو تکفیر گناہ کے لئے کہا ہے۔

حدیث سے واضح ہے کہ آنحضرت نے اپنی بیٹی سے فرمایا تھا:

"ذبیحہ کے سرہانے کھڑی رہو، اے فاطمہ! کیونکہ
ہر قطرۂ خون تمہارے گناہوں کی مغفرت کے لئے ہے۔"

ایک حدیث اور ہے جسکی اسناد خود آنحضرت کی طرف ہے۔ مسلم کا اعتقاد ہے کہ وہ اپنی قربانیوں کی سواری کریں گے اور صراط پار کر کے جنت میں داخل ہونگے۔ حالانکہ یہ قربانیاں مساوی نہیں ہیں ان جانوروں کی، جن کیلئے یہ قربانیاں کی جاتی ہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ سارے جانور ایک انسان کی قدر و قیمت میں برابری نہیں کر سکتے، اس لئے وہ کفارہ کے لئے بالکل ناکافی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ ایک رمز ہے اس قربانی کا جو وقت آنے پر مسیح نے صلیب پر دی۔ جس کی خبر پہلے توراۃ نے، پھر بعد میں انجیل نے دی۔ یہ وہ قربانی تھی جو ساری دنیا کے انسانوں کے برابر تھی ___ "کیونکہ خدا نے دنیا سے ایسا پیار کیا کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔" (یوحنا ۳:۱۶)

چوتھی بحث کی

فصل دوم

کیا مسیح ہی اس کیلئے بہتر تھے کوئی اور نہیں تھا؟

ھاں! بے شک کوئی ایسا نہیں تھا جو اس فریضہ کو ادا کرنے کے لائق ہوتا! کیونکہ

(۱) ← ذبیحہ کیلئے پاک و بے عیب ہونا لازمی ہے۔

(۲) ← ذبیحہ کو اِسی قدر و قیمت کا ہونا لازمی ہے جس کے عوض چڑھایا جائے۔

(۳) ← اس کا انسان ہونا ضروری ہے۔

(۴) ← اسکی اتنی ہی عزت ہو کہ وہ خدا کے اور انسان کے درمیان حلقہ اتصال بن سکے۔

ہم نے تو سارے انسانوں میں ایسا انسان تلاش کرنے کی کوشش

کی جس میں یہ سب شرطیں پورے طور پر پائی جائیں! آپ بھی کوشش کرکے دیکھئے! ہمیں تو سوائے مسیح کے اور کوئی ملا نہیں ــــ سب خاطی نکلے اور خدا کے جلال سے محروم اور خود فدیہ کے محتاج! کسی میں جناب مسیح جیسی وجاہت نہیں، کیونکہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں!

فصل سوم

کیا مسیح نے مصلوب ہونا خوشی سے اختیار کیا؟

تم اگر کسی مسلم دوست سے یہ سوال کرو کہ "بھائی تم آخر مسیح کے عملی طور پر صلیب کے مرنیکو کیوں نہیں یقین کرتے ___" ؟ تو اس کا جواب یہ ملیگا کہ "وہ تو ایک عظیم پیغمبر تھے۔ اور خدا کیلئے یہ مشکل تھا کہ ایسے بڑے نبی کو وہ بدقماش یہودیوں کے ہاتھوں پڑنے دیتا کہ انجام کار وہ انہیں صلیب پر چڑھا کر ایک بدترین قسم کی موت ماریں!" لیکن مسلمان یہ بھول جاتا ہے کہ سورۂ نسار کی ۱۵۴ ویں آیت میں ناحق ہی نبیوں کے قتل کیے جانے کا بیان ہے کھلے اور صریح طور پر۔ نیز سورۂ بقرہ ۸۶ میں بھی یہی بیان ہے رسولوں کے لئے۔ حتیٰ کہ حضرت محمد نے خود بھی مانا ہے کہ ان کی اپنی موت بھی زہر خورانی کی وجہ سے ہوئی تھی جو ایک یہودن کی خیانت کا نتیجہ تھی (دیکھو احادیث وسیر)

اسکے علاوہ تورات وانجیل نے بھی صراحت کردی ہے کہ "مسیح کی صلیبی موت اختیاری تھی اور وہ بمطابق مرضیِ خدا تھی"!

خود حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ :

"میری آمد کی غرض ہی یہ ہے کہ مَیں فدیہ کی خدمت
انجام دوں اور بذاتِ خود صلیب پر مَر جاؤں!"

جب ان کے ایک حواری شاگرد نے ان کے اس بیان پر احتجاج کیا تو خداوند مسیح نے اُسے جھڑکا اور کہا کہ :

"تُو تو میری ٹھوکر کا باعث ہو گیا ہے، انسان کی بات
کو خدا کی بات پر اہمیت دیتا ہے۔" (متی ۱۶: ۲۳-)

اور جب ایک حواری نے ان کی گرفتاری کے وقت ان کی طرف سے لڑنا چاہا تو حضرت مسیح نے فرمایا کہ :

"اپنی تلوار کو میان میں کر ..." متی ۲۶: ۵۲-۵۴)

ہمارے بعض مسلم احباب کہتے کہ "دوسروں کے گناہوں کیلئے خدا نے کیسے مسیح کو صلیب کے دُکھ برداشت کرنا گوارا کیا؟ بیٹوں کے بدلہ باپ نہ مارے جائیں نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں بلکہ ہر شخص اپنے ہی گناہوں کے سبب سے مرے ___" (۲۔سلاطین ۱۴: ۶)

تو میں کہوں گا کہ "مسیح کے قتل کے حکم کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ دوسروں کے

کئے ہوئے کو بھگتیں۔ بلکہ مسیح نے خود از راہِ کرم و محبت خود کو اس خدمت کے لئے پیش کیا۔" یہ حد درجہ کی محبت کا اظہار ہے جس کے لئے وہ مستحق تعظیم ہیں!"

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ جج مجھ پر دوسروں کے قرض کی ادائیگی کا فتویٰ نہیں دیتا، لیکن اگر خود کو میں پیش کروں اسکے قرض کی ادائگی کے لئے تو وہ اس عمل کو کیا بنظر تحسین و تعریف نہیں دیکھے گا؟

مسیح کو جب یہودیوں نے گرفتار کیا تو انھوں نے فرمایا:

"میں تو ہیکل میں علانیہ تمہارے ساتھ ہوتا تھا اسوقت
کیوں نہ پکڑا؟ ____ لیکن یہ سب اس لئے ہوا
تاکہ انبیاء کی نبوت تکمیل کو پہونچے۔" (متی ۲۶: ۵۵-۵۶)

پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ ___ مسیح کو اسلئے صلیب نہیں دیگئی کہ انھوں نے کوئی جرم کیا تھا۔ ان کی ذات میں تو کسی کو بھی ان کے چال چلن یا عمل میں کوئی ایسی بات ملی نہیں تھی۔ صلیب تو بس ان کو اسلئے دی گئی تھی کیونکہ انھوں نے خود کو اس لئے پیش کردیا تھا بلا احتجاج! تاکہ ہمارے طرف سے قصاص کیلئے نمائندگی کے طور پر قربانی اور فدیہ ہوجائے۔

انھوں نے خود کو ہماری جگہ کھڑا کردیا اور جو لعنت گردانا گیا اور جسکے لئے وہ مستحق بھی نہ تھے اسے برضا و رغبت اختیار کیا اور مستحق لعنت گنہگاروں کے

لئے خود کو عوضانہ پیش کردیا ___ تو تم دیکھو کہ جو کچھ ہوا اس سے ظاہر ہے کہ ___ خدا کے مقاصد عالیہ کے لئے انبیاء کا قتل بھی روا ہوا۔ مسیح ایک اختیاری موت مرے تاکہ شریعت کی طرف سے بڑی لعنت کو الٰہی عدل کے حق کو پورا کرکے ہمیں خلاصی دی اور حیات ابدی بخشدی۔ اسلئے یہ یاد رہے کہ سوائے مسیح کے واسطہ سے ہی خدا مومن کے بھی گناہ معاف کرتا اور ان پر رحم کرتا ہے۔

اب جو مسلم حضرات بدلے کی آیات پیش کرتے ہیں مثلاً سورۂ بقرہ ۲۸۴

"جس کے لئے منظور ہوگا اسے بخشدے گا اور جسکو
منظور ہوگا سزا دے گا ___"

اب اگر خدا اس آیت کی طرح انسانوں سے حساب لے، تو اسکے نہ عدل کی اور نہ اسکی رحمت کے مظاہرہ ہی کی کوئی جگہ ہوتی۔ بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن اپنی الٰہی شریعت اور اپنی حقیقی صفات کے خلاف کوئی کام کیسے کر سکتا ہے۔ فرض کرو کسی قاضی نے تمہارے بھائی کے قاتل کو بعد ثبوت جرم بخشدئیے' تو کیا تم اس جج کو عادل مانو گے؟ ہرگز نہیں! بلکہ تم اسے ظالم کہو گے کیونکہ خلاف قانون ملک کام کر رہا ہے۔ خدا کے معاملہ میں تو یہ ناممکن ہی ہے اور عقلِ سلیم کے خلاف وہ اپنے احکام کو منطبق نہیں کرتا۔

سورۂ اعراف ۷، ۸ آیات یہ بتاتی ہیں کہ طریقہ حساب بالکل سیدھا سادھا

ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جسے قدیم مصر و مجوس (ایرانی) بھی استعمال میں لاتے تھے ــــ یعنی خدا کے ترازو کے ایک پلڑے پر نیکی، دوسرے پر بدی رکھی جاتی ہے، اگر نیکی کا پلہ بھاری ہوا تو وہ شخص کامیابی پائے گا، اور اگر بدی کا پلہ بھاری ہے تو گھاٹے میں رہے گا اور ہمیشگی جہنم کا سزاوار ہوگا۔ اگر دیکھو تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی پورا نہیں اترتا کیونکہ جنت تو ایک پاک و مقدس مقام ہے۔ جہاں اگر کوئی داخل ہونے کا خواہاں ہو تو خود کو پاک کرلے! کسی نے اگر ایک بھی بدی کرلی تو وہ ملوث ہوگیا، اور اب تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اس حالت میں داخلِ جنت ہو؟

میں تمہیں یہ بات ایک مثال سے سمجھانا چاہتا ہوں:

فرض کرو کہ ایک شخص سفید پوشاک میں نماز کے لئے جارہا ہے اور اسکے کپڑے یا اسکے بدن پر گندگی کا ایک بھی دھبہ لگ جائے تو کیا وہ گندہ نہیں ہوگیا؟ کیا اس حالت میں اس کا گھر لوٹنا اور صفائی کے بعد واپس نماز کے لئے لوٹنا واجب نہیں ہے؟ یہی حالت انسان کا خدا کے ساتھ ہے طہارت کے معاملہ میں۔ اسی لئے قبل پاکیزگیٔ تمام اور تجدیدِ قلب وہ داخلِ بہشت نہیں ہوسکتا، ضروری ہے کہ پہلے گناہ اُسکے دھوئے جائیں! لیکن ہماری حالت تو یہ ہے کہ بدی و شرارت کے جراثیم ہمارے دل و دماغ و بدن میں اپنا گھر بناکر جڑ پکڑ چکے ہیں جو

اُسے آسمان پاک کے لئے ناقابل بناتے ہیں۔"

اگر مسلم کی اسکے اعتقاد کے مطابق آگ میں پڑ کر پاکیزگی ہوجائیگی جیسا کہ سورۂ مریم ۷۱، ۷۲، میں آیا ہے:

"اور تم میں سے کوئی نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو،
یہ تمہارے رب پر لازم ہے، پھر ہم ان لوگوں کو نجات
دینگے جو خدا سے ڈر کر ایمان لاتے ہیں اور ظالموں کو
اسی میں پڑے رہنے دینگے کہ گھٹنوں کے بل گر پڑینگے۔"

لیکن یہ تو دیکھو کہ اس کا دل فاسد میلانات سے تو دھلا نہیں، تو جنت میں جانے کے لائق کہاں رہ گیا؟ قید میں جو چور سزا بھگتے ہیں، یا ہاتھ کے کاٹے جانے کے بعد، یا کوئی زانی کوڑوں کی سزا کے بعد اپنی چوری یا زناکاری کی عادت نہیں بدلتا بلکہ اور بھی سخت ہوجاتا ہے اور سزا پر سزا لدتی جاتی ہے! "نفس تو ہمیشہ ہی بدی کا رُخ کرتا ہے۔" (سورۂ یوسف ۵۳)

لیکن کتاب مقدس، توراۃ و انجیل نے ایک راہ بتائی ہے جس پر کوئی حقیقی اعتراض وارد نہیں ہوتا، کیونکہ وہ طریقہ خدا کا بنایا ہوا ہے، اس سے مسیح پر ایمان لانے والا اُسکی قربانی کے وسیلے طہارت و مغفرت کے حصول پر متمکن ہوجاتا ہے۔ اسے ایک نیا پن اور دل کی تبدیلی رُوح القدس کی طرف سے انعام میں ملتی ہے اور ایماندار اسی وقت جنت میں بخوشی داخل ہونے کے لائق ہوجاتا ہے۔

سورۂ نسار کی آیت ۴۴۔

خدا میں شوق پیدا کرتی ہے کیونکہ وہ بتاتی ہے کہ شخص کی نیکیاں وہ بڑھاتا ہے۔ اور تم پر تو یہ واضح ہی ہے کہ نیکی کا گوناگوں ہونا اور بڑھانا کوئی عدل کی بات تو ہوئی نہیں ؟

سورۂ اسرا، ۱۴، ۱۵ یہ دکھاتی ہے کہ ہر انسان کو روز قیامت ایک نامۂ اعمال گردن میں لٹکا دیا جائیگا وہ اپنا حساب اس میں دیکھیگا۔ (یہ نہیں بتایا گیا لکھنے کا طریقہ اور حساب کی جانچ پڑتال کس طرح ہوگی؟)

پھر سورۂ ہود ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ " نیکیاں بدیوں کو اٹھا لینگی " اگر نیکی بدی سے زیادہ ہوئی تو آدمی خلاصی پالیگا ورنہ ہلاکت تو ہے ہی !

مسلم علمار کا کہنا ہے کہ کسی کو خدا پر یہ الزام لگانے کی اجازت و گنجائش نہیں ہوگی کہ اسکی نیکی کا صحیح بدلہ نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ وہ شریر جس کی بدیاں زیادہ ہوں گی ان کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ علمار نے یہ بھی کہا کہ جب حساب ہوئے گا اور ہر ایک کے اعمال تولے جا چکے ہونگے ترازو کے عدل پر تو مخلوق اندازہ لگائے گی کہ کتنی کچھ غلطیاں اور کتنی کچھ نیکیاں ہیں ! پھر ہر فرد کو اس کا حق ملیگا اور مزید برآں اسکے مدمقابل سے نیکیاں یا بدیاں لیکر برابر کردی جائینگی اس طرح سے ہر مظلوم کا ظالم سے بدلہ ہو جائے گا۔ اسے ہی مسلم اصطلاح میں " رد مظالم " کہتے ہیں۔ فرشتے ظالم کی

نیکیوں سے مساوی ظلم کے لیکر مظلوم کی نیکیوں میں ملا دینگے۔ چنانچہ جس کی نیکیوں میں سے ذرہ بھر باقی بچا ہے تو اس اصل میں اللہ کی رحمت کا گنا کیا جائے گا تاکہ جنت میں جا سکے۔ لیکن جس کی نیکیاں ختم ہو چکیں ہیں اور پھر بھی اس کی ظلم و زیادتی باقی بچیں ہیں تو مظلوم کے بوجھ میں سے ان زیادتیوں کے مساوی اور بالمقابل بوجھ خدا ہلکا کردے گا اور اُسے دوزخ میں، دونوں کی سزا کے لئے جھونک دیا جائے گا ! یہ سارا کا سارا بیان عدل تو نہ ہوا۔!

کیا تم دیکھتے نہیں کہ یہ سب اصل مقصد و غرض کو ہی فنا کر دیتا ہے ! بجایہ کہ دل کی پاکیزگی، گناہ کا میل اور باطل میلانات کے جراثیم کا ہی کچھ اس طرح سدباب کیا جائے کہ ایک ہی راستہ رہ جائے تاکہ آسمان کی پاک وطاہر فضا میں خدا کی معیت و رفاقت کے انسان لائق ہو جائے !

خدا نے جو راہ تورات وانجیل میں بتائی ہے وہی انسان کے آخری ٹھکانے کیلئے اعلیٰ راہ ہے اسی کی اتباع واجب ہے تاکہ مغفرت اور طہارت قلب کے حصول کے بعد ہم جنت میں ہمیشہ سکونت کر سکیں !

چوتھی بحث کی

فصل چہارم

مسیح کی تصلیب قرآن میں

مسلم کا عام عقیدہ یہ ہے کہ صلیب تو دی گئی مگر وہ مسیح کو نہیں بلکہ کسی اور دشمن کو جس پر مسیح کی شبیہہ ڈالی گئی تھی، اسے صلیب ہوئی اسکی ان کے پاس اور تو کوئی دلیل ہے نہیں مگر سورہ نساء کی ۱۰۶ ویں آیت :

"وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم
ما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ —"

کو پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کی عبارت بالکل مبہم اور گنجلک ہے۔ ایسی مبہم عبارت سے تو کوئی حکم لگانا مشکل امر ہے۔ گویا کہ قرآن کا ارادہ یہ ہے ہی نہیں کہ صلیبِ مسیح کی نفی کی جائے قطعی طور پر۔ کیونکہ جو قرآن نے کہا وہ تو تم نے خود دیکھ لیا ہے۔ !

اور طرح سے بھی قرآن کی تفسیر جائز ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ مسیح کی ذات

کو ایذا رپہونچانے پر قادر نہ ہوسکے کیونکہ یہودیوں نے تو یہ گمان کیا کہ مسیح کو صلیب دینے کے بعد ان کے ذکر کو ہی مٹا کر وہ رکھ دینگے اور اسے لوگوں میں ناپسندیدہ بنا کر رکھ دینگے لیکن صلیب سے یہ مقصد حل نہ ہوا کیونکہ بدنی موت سے تو نابودی ہوتی نہیں۔ اور اگر مسیح مر گئے اور اللہ نے انھیں اٹھا لیا تو وہ تو مسیح کے رفع کا سبب بنی۔ اچھی طرح سمجھانے کی غرض سے ایک مثال دیتا ہوں :

"اگر کوئی تمہیں گالی دے اور بے عزت کرے حالانکہ تمہاری طرف سے حلیمی کا سلوک ہو اور وہ نہ کرو جو ایسے موقع پر مناسب بھی ہے، تو کیا تمہارا یہ کہنا جائز نہیں کہ بھئی! تو نے گالی دے کر مجھے بے عزت نہیں کیا بلکہ تو نے تو میری عزت بڑھا دی اور لوگوں کی نگاہ میں سربلند کر دیا کیونکہ میں حلیمی سے پیش آیا، بلکہ خود کو ہی تو نے حقیر بنایا بہ لحاظ اپنی بے وقوفی کے۔"

حقیقت تو تھی کہ تصلیب کو رومی حاکم پلاطس کی جانب منسوب کرتے نہ کہ یہودیوں کی طرف! —— پھر یہ بھی دقت ہے کہ شبہ لھم کا مسند کسے بنایا گیا ہے؟ اگر تم مسیح کو مسند بناؤ جبکہ وہ مشبہ بہ ہے تو مشبہ کیسے بنیگا؟

اگر اسکی اسناد مقتول کی طرف کرو گے تو اس کا تو ذکر ہی نہیں ہوا ہے؟ اس لئے ہم دیکھو آیت کیسی غیر صریح ہے اور اسی لئے بے معنی بن کر رہ گئی ہے۔

اگر خدا کا قصد و ارادہ مسیح کو صلیب کی موت سے بچانا ہی تھا تو ایک معجزہ کے ذریعہ بھی بچا جا سکتا ہے اور اپنے نبی و رسول پر ایذا، کی یہودیوں کی عدم قدرت کو دکھا سکتا تھا۔ لیکن مسلم دماغ میں آیا بھی تو وہ ایسا عمل تھا جس سے مقصد براری تو الگ رہی، الٹے فریب سامنے آیا، جو حق تعالیٰ سے صادر ہوتا نہیں! ــــ اسلئے کہ یہود پر اللہ کی قدرت کو ظاہر نہیں کیا۔ اور نہ یہودیوں کے عجز کو۔ اگر اللہ نے تصلیب کو مسیح کے اعلیٰ شرف و وقار کی بنا پر مخل دیکھا، تو کیا یہ عقل میں آتا ہے کہ وہ ایسا معجزہ دکھائے جس سے بالفعل ان کی حقارت و بے عزتی ہی ظاہر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی خدا نے مسیح کو اپنی طرف اٹھایا، تاکہ وہ خود کو بھی احتقار سے بچائیے! یہی عام مسلم خیال ہے!

ہم کو قرآن میں ایسی بھی آیات ملی ہیں جو کم از کم اس بات کی طرف اشارہ تو کرتی ہیں۔ اگرچہ علانیہ نہیں کہ مسیح حقیقت میں مر گئے! حالانکہ یہ امر اس ابہام و تاریکی کو صاف کرنے میں مدد دیتا ہے جس نے آیت کو گنجلک بنا رکھا ہے۔ سورۂ آلِ عمران کی ۴۸ ویں کہتی ہے کہ :

"جب کہے گا اللہ کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے

اور اپنی طرف اٹھانے جا رہا ہوں ـــ"

تو اسکی تفسیر میں کچھ مفسرین نے کہا کہ :

"کلمہ "متوفیك" کا مطلب ہے "منومك"

یعنی میں تجھ پر نیند طاری کرنے جا رہا ہوں ـــ"

لیکن دنیا جہاں میں کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اٹھانے سے پہلے نیند کرنے میں کیا مصلحت تھی؟ شاید اس گتھی کو بعد میں آنے والے مفسرین و علماء سلجھا سکیں، جسے پیشرو علماء نہیں سلجھا سکے!

لیکن حق تو ہے کہ ــــ "میں تجھے وفات دیتا ہوں" کا صاف مطلب ہے کہ تجھے مارنے جا رہا ہوں اور یہ تو مشہور روایت ہے حضرت ابن عباس اور محمد ابن اسحاق کی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مدت موت میں اختلاف ضرور ہے۔ وہب کی رائے میں تین گھنٹے کی وفات رہی پھر اوپر اٹھائے گئے۔ ـــ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ سات گھنٹے کی وفات رہی، پھر خدا نے انھیں زندہ کیا اور اٹھا لیا۔

ربیع ابن انس کی روایت میں اللہ نے انھیں تب ہی ـــ وفات دی جب آسمان کی طرف اٹھایا۔

بیضاوی کا تو یہی اعتقاد ہے کہ سچ مچ تین گھنٹے کے لئے مر گئے تھے۔

عربی کی معجم اللغۃ میں "توفاہ اللہ" یعنی اللہ نے انھیں وفات

دی۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی روح کو قبض کیا اور محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے
کہ فلاں کی وفات ہوگئی یعنی اسکی رُوح قبض کی گئی اور وہ مرگیا !

" متوفیك " کا جملہ اور اسکے مشتقات ۲۲ ہیں سب کے سب قرآن میں قبض رُوح کے مطلب میں آئے ہیں اور ان سے مراد موت ہی ہے سوائے دو مقام کے جن میں قرینہ تو موت ہی بتاتا ہے اور مجازاً پہلی نیند مراد لیجاتی ہے (انعام ۶۰) اور دوسری نیند (زمر ۴۳) کی آیت میں ہے ۔

پھر حرف " واؤ " کے بارے میں مفسر بولتے ہیں یہاں یہ برائے تعقیب کے آیا ہے ۔ نہ کہ برائے ترتیب ۔ یہ بات عقل کو گمراہ کرنے کی غرض سے کہی گئی ہے یعنی اس مطلب میں کہ جب دوبارہ مسیح تشریف لائینگے تب مرینگے ۔

خدا ہمیں اس عقل کی خرابی سے بچائے ! ـــــ اگر وہ ایسا سوچتے ہیں تو خرابی یہ ہوجاتی ہے کہ ترتیبِ کلام میں فرق ہوجاتا ہے ۔ آیت کے معنی بدل جاتے ہیں یعنی یہ مطلب کہ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر اپنی طرف اٹھانیوالا ہوں کے ۔ بجائے یہ مطلب ہوجاتا ہے کہ میں تجھے اٹھانے اور پھر وفات دینے جارہا ہوں ۔

سورۂ مریم کی آیت ۱۵ میں آپ کو ملیگا کہ " سلام علیہ " میں ضمیر یحیٰی کی طرف راجع ہے ، یعنی یحیٰی پر سلامتی ہو اس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور اس دن جب مرے اور اس دن جب اٹھائے جائیں گے ۔ اس آیت میں

کہیں مسلم اختلاف نہیں کرتے کہ حضرت یحیٰی (یوحنا) پیدا بھی ہوئے اور مرے بھی۔
تو اب دوسری آیت یعنی ـــ " والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت و یوم ابعث حیا " میں کون سی مصیبت آپڑی ، دونوں آیتوں (مریم ۱۵ ' اور ۳۳) میں الفاظ و ترتیب ایک ہی جیسی ہے اور قرینہ بھی یہی کہتا ہے ۔

پھر مریم ۳۲ میں خدا نے عیسیٰ کو نماز اور زکوٰۃ کی تا حین حیات وصیت کی ۔ اب زکوٰۃ تو ایک شرعی معین مقدار ہے مال کی جو ہر آزاد و مکلف مسلم اللہ کی خاطر غریب مسلم کو (جو ہاشمی نہ ہو اور نہ غلام ہو) دیتا ہے ۔ زکوٰۃ کا مطلب مال زکوٰۃ ہے ۔ سوائے خدا کی اس قول کے ـــ وحنانا من لدنا وزکوٰۃ (مریم ۱۴) جہاں مراد ہے طہارت !

اگر مسیح بلا موت آسمان پر اٹھائے گئے ہیں جیسا کہ مسلم عوام سمجھتے ہیں تو مسیح پر واجب ہے کہ وہ حکم کے مطابق خود کو پاک کریں !

تو برادر ! آسمان میں مسلم محتاج و فقیر و غریب کہاں ہوتے ہیں کہ ان کو زکوٰۃ دی جائے ؟ ــــ اگر مسیح ہمیشہ زمین پر ہی زندہ ہیں تو وہ ہیں کہاں ؟ اور وہ کون لوگ ہیں جو ان سے زکوٰۃ پا رہے ہیں ؟

یہ تو واضح ہے کہ زمین پر وہ ہیں نہیں ، اور طہارت کے بھی محتاج نہیں ، تو یہ بات بھی خوب ظاہر ہوگئی کہ مسیح سچ مچ مرچکے ہیں ، اسلئے اب ان پر

زکوٰۃ کی فرضیت جاتی رہی !

پھر سورۂ مائدہ ۱۱۷ میں وارد ہے کہ :

"میں ان پر گواہ تھا جبتک ان میں موجود تھا
لیکن جب تونے مجھے وفات وموت دی تو
اب توہی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہے"

جلالین و رازی نے تو تفسیر میں جسے راجح کیا ہے وہ یہ ہے کہ :

"مسیح عنقریب اللہ سے کہیں گے حشر کے دن"

اور رازی نے "توفیتنی" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اٹھایا جانا" تو نیتد کی تفسیر غلط رہی آیت "انی متوفیك ورافعك الیٰ ومطہرك" میں اگر ہم اس قاعدہ کو جاری کریں کہ "توفیٰ" کا مطلب رفع ہے یعنی بجائے وفات دیئے جانیکے اٹھایا جانا، وہ تو آخری حساب کے دن ہوگا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسیح کبھی مریں گے ہی نہیں اور یہ بات قرآنی اس نص کے مخالف ہوگی جو کہتی ہے :

"ہر وہ چیز جو زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے
سوائے خدا کی ذات کے" رحمٰن ۲۶، ۲۷)

اور سورۂ قصص ۸۸ :

"ہر شے ہلاک ہونے والی ہے سوائے خدا کی ذات کے"

پھر یہ بھی عام مسلم اعتقاد کے مخالف ہوگا جو مسیح کو حقیقت میں زندہ سمجھے، مانتے ہیں، تو ضرور ہوا کہ موت اسی عالم میں حشر سے پہلے ہو! اور اس میں کیا برائی ہے اگر توفیٰ کے معنی موت ہی لئے جائیں یہ بات قرآن کے بظاہر موافق بھی ہوگی اور تب "اذ قال" کی دلالت ماضی پر ہوگی۔ مستقبل پر نہ ہوگی اور آیت قرآن تورات وانجیل کے بھی مطابق ہو جائے گی اور مسیحیوں کے اعتقاد کے بھی مطابق ہوجائے گی جو مسیح کی موت صلیبی کے قائل ہیں! خدا توفیق وتوانائی عطا کرے!

فصل پنجم

مسیح کی صلیب کی تاریخی حیثیت

حادثۂ صلیب کسی آدمی کی ایجاد نہیں ورنہ مسیحی اسے کبھی نہ اپناتے نہ اپنے اور خداوند منجی کیطرف تحقیر آمیز بات منسوب کرتے کیونکہ شریعت کا تو یہ فتویٰ ہے کہ :

"لٹکایا ہوا شخص اللہ کا ملعون ہے۔" (استثنا ۲۱:۲۳)

انجیل بھی یہی کہتی ہے کہ :

"جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔" (گلتیوں ۳:۱۳)

مسیحی صرف صلیب کی موت ہی نہیں مانتے بلکہ اسے باعثِ افتخار بھی خیال کرتے ہیں کیونکہ جو اس فدیہ پر ایمان لاتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ

اس نے یہ مرکر کر دیا ہے۔ اس لئے میں مسلم حضرات سے یہ کہے بنا نہیں رہ سکتا کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اسلئے بحث ضروری ہے۔

قدیم انبیاء جیسے داؤد، یسعیاہ، دانی ایل وغیرہ مسیح کی زندگی کے احوال کو تفصیل سے لکھتے ہیں اپنی نبوتوں میں۔ خاصکر مسیح کی صلیبی موت جو ہزاروں سو سال بعد واقع ہونے والی تھی، بلکہ کچھ نبیوں نے تو مسیح کو صلیب دیئے جانے کی جگہ زمانہ اور علامات کسوف شمس وزلزلہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور کچھ نے تاریخی علامات کا تذکرہ کیا ہے ـــــ مثلاً قربانیوں کا بند ہونا، کیونکہ مسیح کے عوضی ذبیحہ کے ذریعہ قربانیوں کے مقصد کی تکمیل ہو جاتی ہے یا یہودیوں کے ہاتھوں سے حکومت کا نکل جانا۔

جب ظہورِ مسیح ہوا تو ان کی شریعت و ناموس میں اسکی موت کے بارے میں لکھا تھا اور ان کا پورا ہونا لازم تھا نیز صلیب پر انکا مرنا لوگوں کی خطاؤں کے کفارہ کے لئے ضروری تھا۔ شاگرد و حواری ان کی صلیب پر فخر کرتے تھے حتیٰ کہ شاگرد نے تو یہ کہہ دیا کہ :

"تمہارے درمیان یسوع مسیح بلکہ مسیح مصلوب کے سوا
کچھ نہ جانوں گا ـــــ" (۱ کرنتھیوں ۲:۲)

اور ایک تو کھڑا ہو کر مجمع یہود میں برملا یہ خطبہ دیتا ہے :

"گنہگاروں اور بے شرع لوگوں کے ہاتھوں

اُسے صلیب دلوا کر تم نے مار ڈالا" (اعمال ۲:۲۳)

جس کا نتیجہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حاضرین مجمع میں سے تقریباً تین ہزار تو اس مصلوب پر ایمان لے آئے ——— مسیح کی صلیب حواری اور رسولوں کا موضوعِ منادی اور سارے وعظوں و تقریروں کا موضوع بنی رہی یعنی وہ تنہا تعلیم جس کی طرف طلب مغفرت کے لئے رجوع کیا جاتا ہے یعنی :

"خدا نہ کرے کہ میں اپنی مخلص و منجی یسوع مسیح و
خداوند کی صلیب کے علاوہ کسی اور چیز پر فخر کروں
اور بجائے مسیح مصلوب کے کسی کو جانوں ———"

یہی مسیحی جماعت شروع سے بالتواتر مانتی چلی آرہی ہے اسکے علاوہ تورات وانجیل میں کوئی مرکزی تعلیم نہیں۔

مشہور یہودی مورخ جوزیفس نے مسیح کی تصلیب کا ذکر اپنی تاریخ میں بایں الفاظ کیا ہے ——— :

"پیلاطس نے مسیح کو صلیب دیئے جانے کا حکم دیا
تاکہ ہمارے سردار کاہنوں کو ٹھنڈا کیا جاسکے۔ جن
لوگوں نے مسیح کو شروع سے مانا تھا انھوں نے مسیح
کو چھوڑا نہیں بلکہ ہمارے دور میں آج تک وہ لوگ
پائے جاتے ہیں، مسیح کی پیروی کی وجہ ہی سے

انھیں مسیحی بھی کہا جاتا ہے ———"

حالانکہ آج تک یہودی بھی یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ مسیح مصلوب کیا گیا تھا اور مر گیا تھا۔ قرآن نے بھی خود تسلیم کیا ہے کہ یہود نے مسیح کو قتل کروایا ہے (نساء ۱۵۶) یہودی ربی یوخنان بن زکی نے جو ہلیل کا شاگرد تھا اس نے ایک کتاب عبرانی زبان میں لکھی تھی اور اس نے بھی اس میں ذکر کیا کہ یسوع پر صلیب کا حکم نافذ کیا گیا کیونکہ اس نے "خدا کا بیٹا" ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور یہودیوں نے اسے یروشلیم کے باہر کاٹھ پر لٹکا دیا حاکم رومانی کے حکم کے مطابق اور یہودی سرداروں کی رائے کے مطابق۔

تالمود میں بھی ذکر ہے کہ یسوع کو صلیب دی گئی۔ ٹاسیٹس نامی بُت پرست مورخ نے بھی اپنی تاریخ کے پندرہویں باب میں (صلیب کے چالیس سال بعد) لکھا ہے کہ مسیح ہلاک کئے گئے، پنطس پلاطس کے حکم کے مطابق شہنشاہ طبریاس کے دنوں میں۔ اس مورخ نے اپنی تاریخ ان لوگوں کے لئے لکھی جو مسیح کے معاصر تھے۔ اور گمان اغلب ہے کہ بہتوں نے اپنی آنکھوں سے مسیح کو صلیب پر لٹکے بھی دیکھا تھا۔ ٹاسیٹس کی پہونچ اسی مقام پر تھی جہاں سرکاری کاغذات، اور گورنروں کے، رجسٹر رکھے جاتے تھے۔ ان میں فلسطینی حکام کے بھی دستاویزات تھے، جن میں مسیح کے صلیب دیئے جانے کا تذکرہ تھا۔ اسلئے اس مورخ کی باتیں بڑی عزت سے دیکھی جاتی

تھیں۔ کیونکہ حکومت کے معاملہ میں ساری اطلاعات تک اسکی پہونچ تھی!

خاص اہم بات یہ ہے کہ پلاطس نے ایک رپورٹ صلیب کے واقعہ کی روم بھیجی تھی اس میں اسنے مسیح کی صلیب پر موت کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے رومی ریکارڈ بھی تھے یہ طریق تسجیل تمام متمدن ممالک حکومت روما میں مروج تھا اس قانونی دستاویز سے اس بت پرست مورخ نے ساری اطلاعات، جو دیگر ذرائع سے بھی تھیں فراہم کرتی تھیں اس دستاویز کے حوالے فلاویوس جسٹینن کی تحریروں سے جو اس نے شاہ روم انٹونیس پائس کو سنہ ۱۲۹ء میں لکھی تھیں، حاصل کیا تھا۔
اسیطرح عالم زمانہ ترتولین نے کارتھیج سے سنہ ۱۹۹ء میں بھی لکھا تھا!
اس سے تم پر آشکارا ہوا کہ مسیح کا صلیبی حادثہ ایک مسلّم مشہور بات تھی۔ یہودیوں، بت پرستوں اور مسیحیوں میں صرف عوام الناس ہی نہیں بلکہ خاص لوگوں میں بھی سنہ ۶۰۰ء میں بھی مشہور تھی حتٰی کہ قرآن آیا اور مسیح کی صلیبی موت کا انکار شروع ہوا، اور وہ بھی کسی نص قطعی نے نہیں بلکہ ایک مبہم سی آیت نے سارے عالم کو حیرت میں ڈالدیا اور کچھ اسطرح شک وشبہ اور غیر یقینیت مسلمانوں میں چھا گئی، حتٰی کہ بعض نے اس کا انکار کیا۔
اور بعض نے تصدیق کی، جیسا کہ ہم سابق میں دیکھ چکے ہیں۔
عزیز قاری! پچاس معتمد شاہدوں نے اگر علانیہ گواہی دی، جن میں

بہتوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، بہتوں نے اپنے کانوں سے سنا کہ زید کو عمرو نے قتل کیا اور یہ گواہ ایسے تھے جو قاتل اور مقتول دونوں کو جانتے تھے، اور یہ بھی کہ قاتلوں اور ان کے ساتھیوں نے علانیہ طور پر اس کا اقرار بھی کیا اور اس کا اعتقاد خوب پختہ ہوگیا اور لوگوں نے یقینی طور پر مان لیا کہ زید نے عمر کو قتل کیا ہے پھر چھ سو سال تک یہی اعتقاد چلتا رہا، اس قدر طویل مدت کے بعد جج کے سامنے ایک گواہ نمودار ہوتا ہے، جسے حقیقتہً گواہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن ایک فرضی گواہ بنکر حاضر عدالت ہوکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں گواہ ہوں کہ قتل تو ضرور ہوا تھا لیکن اس میں مقتول بکر ہوا تھا عمر نہیں تھا۔
اب تمہاری رائے میں جج اس کیس کا فیصلہ کس طرح کرے گا؟ کیا وہ تصدیق کرے گا؟ کہ عمر قتل ہوا تھا یا وہ تصدیق کرے گا اور فیصلہ دے گا کہ ہاں وہ ضرور بکر تھا جو قتل ہوا تھا۔ اس کا فیصلہ تو بالضرور اوّل کے موافق ہوگا! اور اگر اس کا فیصلہ اسکے برخلاف ہوا تو لوگ اس جج کو معاملات قانونی میں ناواقف قرار دے کر یہ کہدینگے کہ اس میں سخت بے انصافی ہے!
تمہیں اس معاملے میں خبردار کرنے کی ضرورت نہیں، اس مثال میں کہ مسیح کی صلیب کے ساتھ بھی اسیطرح کا معاملہ کیا گیا ہے جو مثال کے پہلے حصہ پر پورے طور پر منطبق ہے۔

اب اے مسلم دوست تم ہی بتاؤ اور مذہبی تعصب کو الگ کرکے آزاد فیصلہ کرو اور وہی کرو جو تمہاری سمجھ میں آئے — تو تم پر یہ روشن ہو جائے گا کہ یسوع مسیح صلیب پر مارے گئے دنیا کے لئے فدیہ کے طور پر لیکن یہیں معاملہ ختم نہیں، وہ تیسرے دن جی بھی اٹھے اور پھر وہ آسمان پر صعود بھی فرما گئے فاتح بنکر کہ اب موت کا بھی ان پر حکم نہیں۔

بحث پنجم

الوہیّت اور عصمت مسیح پر

ہم مسیحی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہماری مقدس کتاب میں جسطرح اعلان ہے کہ یسوع مسیح معصوم و مبرا عن الخطا ہے کیونکہ وہ آدمی کی نسل سے نہیں ہے! جنھوں نے گناہ کیا اور فاسد بن گئے جیسا کہ ہر معتبر کتب سے ثابت ہے، نیز قرآن و حدیث بھی کتاب مقدس کی اس معاملہ میں ہمنوائی کرتی ہیں۔

ہمارا تو اعتقاد ہی یہ ہے کہ مسیح خدا اور انسان ساتھ ہی ہے۔ یہ اعتقاد انجیلی وحیٔ الٰہی کی روشنی میں ہے اسکو ذرا وضاحت سے بتانے کے لئے ہم ایک مثال دیتے ہیں:

"اللہ واحد نے انسان، یسوع مسیح میں ظہور فرمایا، اور اس پر اترا اپنی پوری الوہیت کو لیکر اس کا حلول ایک غیر محصور حلول تھا

الوہیت کی ساری معموری اس میں مجسّم ہوکر سکونت کرتی ہے۔" (کلسیوں ۲: ۹)۔ "اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادوں سے حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کرکے، اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا، جسے اس نے ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلہ سے اس نے عالم بھی پیدا کئے، وہ اس کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش ہوکر سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے۔ وہ گناہوں کو دھو کر عالمِ بالا پر کبریا کی دہنی طرف جا بیٹھا۔" (عبرانیوں ۱: ۱-۳)

وہ بشر پر ظاہر ہوا۔ اسلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ مسیح اللہ اور انسان ساتھ کہلائے۔ انسان تو خدا ہو نہیں سکتا خدا تو خدا ہی ہے اور انسان انسان ہے۔ یہ وہم غلط ہے، جیسا کہ مسلمان خیال کرتے ہیں کہ یہ دو خدا ہوئے۔ مسیح تو اپنی الٰہی قدرت اور عملی معجزات و خارق عادات کاموں کی وجہ سے خدا کہلائے برخلاف انبیاء کے کہ انھوں نے بھی معجزات کئے مگر وہ باذن اللہ تھے اور اللہ کی عطا کردہ قدرت سے کئے، خود اپنی قدرت سے نہیں کئے!

مسیح اپنی انسانیت میں کھاتا پیتا سوتا تھکتا، نیز سارے انسانی کام کرتا بجز گناہ کے، اور اس کا طور تھا کہ کبھی تو خود کو بطور خدا کے، اور کبھی بطور انسان کے ظہور فرماتا تھا ——— اور یہ اسلئے کہ وہ سوائے خدا اور انسان کے

جیسا ذکر ہوا اور کچھ نہ تھے۔ ہمارے مسلم احباب اور بہت سے مسیحی بھائی بھی مسیح کی الوہیت میں شک کرتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ انہوں نے بہت آیتیں ایسی دیکھی ہیں جو حضرت مسیح کے انسان ہونے پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان سے بس یہی چوک ہوئی ہے کہ انہوں نے ان بہت سی آیات پر غور نہیں کیا ہے جو اسکی اُلوہیت پر دلالت کرتی ہیں۔ کاشکہ وہ بھی گہری نظر ڈالتے تو صحیح انصاف کرپاتے مثلاً "اب سے تم ابنِ آدم کو قادرِ مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور بادلوں پر آتے دیکھو گے" (متی ۲۶: ۶۴) "جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا" (یوحنا ۱۴: ۹)۔

مسیح نے ایک قلیل عرصہ انسان کی طرح زمین پر بسر کیا، پھر صلیب دی گئی اور مارا گیا پھر جی کر اٹھ کھڑا ہوا، لیکن یاد رہے کہ صلیبی موت، مسیح انسانی مادی پر واقع ہوئی۔ اب رہی مسیح کی الوہیت تو وہ بہت واضح ہے توراۃ و انجیل کی نبوتوں میں، اور خود مسیح کے کلام میں، نیز رسولوں کی تعلیم میں۔ سورۂ مریم کی آیت چالیس میں آیا ہے "یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمة منه اسمه المسیح ......"

اس آیت میں "بکلمة" آیا ہے اور بقول مفسرین اگر مراد اس سے "کن" "یا" "امر" یا "نطق" ہے اسکے علاوہ آیت میں کوئی راہ نہیں ہے ایسا دعویٰ کرنے کی۔ کیونکہ قرآنی قول "بکلمة منه اسمه المسیح عیسیٰ"

تو دلالت کرتا ہے کہ الکلمہ ذات ہے، نہ کہ امر یا نطق، جیسا کہ بادنیٰ تامل واضح ہے۔ ضمیر اسمہٗ کو دیکھو وہ مذکر ہے اور راجع ہے کلمہ کی طرف جو کہ مؤنث لفظی طور پر لیکن معنی کے لحاظ سے مذکر ہے ورنہ لغت وزبان میں یہ جائز نہ ہوتا !

علماء اسلام کہتے ہیں کہ کل مخلوق خدا اللہ کے کلمات کہلاتی ہیں کیونکہ وہ کلمہ کے ذریعہ پیدا کی گئی ہیں میں کہتا ہوں یہ سوچنا غلط ہے ورنہ یہ کہنا جائز ہوتا کہ اثر مؤثر ہے اور نہ **کتاب قلم ہے** ۔کیونکہ قلم ہی واسطہ یا آلہ ہے جس سے کتاب لکھی جاتی ہے۔ اگر خدا عیسیٰ کو کلمہ (امر یا کن) کے ذریعہ خلق کرتا، جیسا کہ ان کا گمان ہے، تو یہ **ناممکن** ہے کہ ان کو کلمہ کہا جائے کیونکہ وہ کلمہ تو ہیں نہیں، بلکہ مفعول کلمہ ہوئے۔ اگر کسی کتاب کی تالیف کروں اپنی عقل کے ذریعہ، تو کتاب کا نام عقل رکھا جائے گا، بلکہ عقل کا مفعول مانا جائے گا! ورنہ حق کے ساتھ باطل کا اختلاط ہو جائیگا اور جوہر کا امتزاج عرض سے ہو جائے گا !

دوسری آیت سے واضح ہے کہ مسیح رُوح اللہ ہے۔ اور تم تو جانتے ہی ہو کہ کل کا کل جو اللہ میں ہے وہ اللہ ہی ہے، تو اللہ کا کلمہ بھی خدائے ابدی ہوا، اور روح اللہ بھی اللہ ہی ہوا، ازلی و ابدی۔ یہ یوحنا کی انجیل کے عین موافق ہے کہ "ابتدا میں کلام تھا (یعنی کلمہ) اور کلمہ خدا

کے ساتھ تھا اور کلمہ خدا تھا" ۱:۵

تو اب مسیح ابن اللہ ہوا، اور اس کا ابن اللہ کہنا عین ممکن ہوا اور کفر نہیں ہوا! حدیث میں آیا ہے خدا کی زبان سے کہا گیا ہے کہ "الفقراء عیالی" فقیر لوگ میرے خاندان کے لوگ ہیں۔ یہ بھی ناممکن نہیں ہے اسی دلیل سے سورۂ زمر کی آیت چھ ہے:

۔لو اراد اللہ ان یتخذ ولدا الاصطفیٰ مما یخلق ما

یشاء ۔یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا بیٹا بنا لیتا۔!

تو کوئی تعجب نہیں کہ کتاب مقدس نے اعلان کر دیا کہ مسیح ابن اللہ ہے۔ بطریق تناسل نہیں جیسا کہ مسلم لوگ خیال کرتے ہیں اسلئے کہ لفظ "ابن" (بیٹا)، عربی زبان میں صرف بیٹے کے لئے ہی نہیں آتا جو بطریق تناسل پیدا ہو۔ بلکہ کنایہ کے طور پر بھی آتا ہے مثلاً عام طور پر کہا جاتا ہے ابناء العلم وطالب علم کو، ابناء الدنیا، دنیا دار لوگوں کے لئے اور ابناء السبیل، مسافروں کے لئے، یہ بھی کہنے کا رواج ہے کہ فلاں ابن فلاں، مجازی طور پر لے پالک بیٹے کے لئے یعنی جسے گود لیا ہو کہا جاتا ہے۔ خدا نے بھی مسیح کے ایمانداروں کو بیٹے پکارا۔ لیکن مسیح کو اکلوتا بیٹا کہا یعنی یہ بیٹا ہونا اس سے الگ بات ہے! ہم اس فرزندی کو مکمل

طور پر سمجھ نہیں سکتے کیونکہ بعید الادراک ہے۔!

جس طرح مسیح کو فرزندِ خدا کہکر پکارا گیا اسکی الوہیت کی جہت سے ؛ اور بشر سے بلند کرنے کی غرض سے، اسیطرح اسے ابنِ آدم بھی کہا مسیح کی انسانیت کو ظاہر کرنے کے لئے !

دانی ایل کی نبوت میں (۷ : ۱۳، ۱۴) بھی یہی مقصود ہے جو دلالت کرتی ہے کہ مسیح خدا اور انسان ساتھ ہی ہے۔ اور پہلا تیمتھیس ۳ : ۱۶، اور یوحنا ۱ : ۱۴ میں بھی یہی مقصود ہے !

انبیاء کے خطاؤں کا ذکر تو توراتؔ، زبورؔ، انجیل میں آیا ہی ہے جس کی تائید قرآن نے کردی ہے تقریبًا ایک ایک گنا کر، اور انسان کے فساد کو بھی، سارے کے سارے تم تو دیکھتے ہی ہو! لیکن کسی ایک نے بھی کوئی ایسا ذکر مسیح کے حق میں نہیں کیا ہے بلکہ سب نے یک زبان ہوکر ان کی پاکیزگی، گناہوں سے دوری و قدوسیت کا برملا اظہار کیا ہے۔ اس وصف کو ہم آگے چلکر بیان کرینگے۔ اس وصف میں مسیح، انسان اور نوعِ بشر میں ایسا پایا جانا محال۔ ہے۔

عصمت تو کمال خدا کے حصّہ کی یہ ہے۔ لیکن مسیح تو اپنی انسانیت و الوہیت میں سب سے بڑھ گئے۔ لہٰذا وہ ایک اعتماد و وثوق کی ہستی ہیں اپنے کمال پاکیزگی میں ! انہوں نے ببانگ دہل پکار کر کہا :

"تم میں سے کون ہے جو مجھ پر گُناہ ثابت
کرتا ہے۔" (یوحنا ۸ : ۴۶) اور اس دنیا کا
سردار شیطان آتا ہے اور مجھ میں اس کا
کچھ نہیں۔ (۱۴ : ۳۰)

مسیح کی عصمت کی گواہیاں تو بہت سی ہیں، یہاں تک کہ اس کے —— بدترین دشمن بھی کوئی نقص یا علت مسیح میں نہ کھوج پائے ——!

پیلاطسؔ نے جس وقت یہودی دعوے کی تفتیش کی تو اس نے اس بات کا اعلان کیا کہ مَیں اس شخص میں ایسی کوئی بات نہیں پاتا جو اس کی موت کا سبب بن سکے (۱۸ : ۳۸ + ۱۹ : ۴، ۵) پیلاطس کی بیوی نے بھی اپنے شوہر کے پاس کہلا بھیجا دوران مقدمہ کہ اس راستباز شخص کے کچھ کام نہ رکھ (متی ۲۷ : ۱۹)

اسکے بعد ہی پیلاطس نے لوگوں کے رُوبرُو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا :

"مَیں اس راستباز کے خُون سے بری ہوں تم
جانو! ——" (متی ۲۷ : ۲۴)

لیکن یہود کہتے رہے کہ اس کا خُون ہم پر اور ہماری اولاد پر۔ اور

تب اس نے مسیح کو صلیب دئیے جانے کے لئے حوالہ کیا! اور یسوعؑ کو صلیب دی گئی۔ مسیح کی پوری سیرت اس بات کی گواہ ناطق ہے کہ وہ بالکل پاک، طاہر اور معصوم تھے۔ برخلاف دیگر انبیاء و رسل کے کہ وہ تو دلی خرابی، ظلم و زیغ اور گناہ سے ملوث تھے۔ مسیح کی پاکیزگی و عصمت دونوں لازم کرتی ہیں اسکے مستحق ہونے کو، تاکہ خود کو پاک و بے عیب ذبیحہ کے طور پر جس میں کوئی عیب و نقص نہ ہو پیش کرے انسان کی معافی کے خاطر!

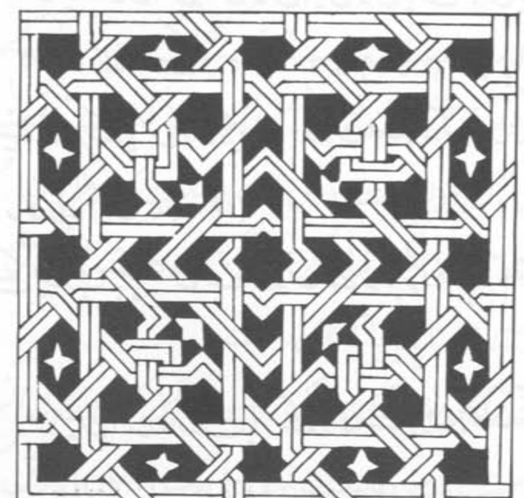

چھٹی بحث

انبیاء اور سارے بشر پر مسیح کے قرآنی امتیازات

انبیاء اور مرسل حضرات بہت سے کاموں اور ناموں میں مشترک ہیں لیکن مسیح سب سے ممتاز ہیں۔ ان کے بارے میں لقب کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ آیا ہے قرآن میں، دیکھئے سورۂ آل عمران ۴۵ و سورۂ نساء ۱۷۱۔

اور جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ تم کو بشارت دیتا ہے ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا، اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہوگا (جو) صاحب حیثیت و آبرو ہوگا دنیا و

آخرت میں بھی اور وہ منجملہ مقربین ہوگا۔"
میرے دوست مجھے بتاؤ کہ کسی نبی یا بشر کے لئے یہ القاب و نام آئے ہیں؟ کہ وہ اللہ کا کلمہ اور اللہ کی رُوح ہے؟

خدا نے بعض انسان کو رسول بعض کو نبی بعض کو منذر یا نذیر ڈرانے والا، بعض کو بشیر یا مبشر (خوشخبری دینے والا) وغیرہ وغیرہ نام دیئے گئے ہیں، لیکن وہ سارے القابات کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ سے کمتر درجے کے ہیں اسلئے مسیح کے یہ دونوں القاب بڑھکر ہوئے کیونکہ روح، رسول سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ کسی کی رُوح اسکی عین ذات ہوتی ہے لیکن رسول وغیرہ تو خاص ذات نہیں ہے۔

رازی و جلالین وغیرہ مفسروں نے یسوع کو اللہ کا کلمہ مان کر کہا ہے کیونکہ وہ بن باپ کے ایک کلمہ کی معرفت مولود ہوئے تھے، اسلئے کلمہ کی نسبت ان کی طرف بہت صحیح ہے۔ ہم یہ بھی پوچھیں گے کہ اگر یہی بات ہے تو آدم کو بھی تو کہا گیا ہے کہ وہ (کلمہ) امر سے خلق ہوئے تھے، کیوں نہ انکو بھی کلمۃ اللہ کہا؟ کیا یہ تسمیہ مسلم عالم کو یہ نہیں بتایا کہ کلمۃ اور رُوح کے بارے میں تفتیش کرے اور مسیح کی علوشان اور ان کی الوہیت کو جانے اور مانے!

سورۂ نساء ۱۷۱:

"...... مسیح عیسیٰ ابن مریم تو البتہ رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ

کے کلمہ ہیں جسکو خدا نے مریم تک پہنچایا تھا اور خدا کی طرف سے ایک رُوح (جان) ہیں۔"

ایک اور آیت شریفہ قرآنیہ اسی موضوع پر روشنی ڈالتی ہے۔

پھر سورۂ آل عمران ۴۹ میں مسیح کے کچھ عجوبہ کاموں اور معجزوں کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ خدا نے چند صفتوں کے استعمال کی اجازت اپنے بندوں کو دی ہے جیسے عدل، رحمت اور احسان وغیرہ۔ نبیوں کو اسکے علاوہ معجزات کی بھی قوت عطا کر دی تھی اور نبوت کرنے کی بھی آیندہ کے واقعات ان کے واقع ہونے سے پہلے تا بشر کو فائدہ پہونچے اور نبی کی رسالت کی صحت ثابت ہو لیکن بہت سی باتیں اس نے اپنے اختیار میں رکھیں جن میں اس کا کوئی شریک نہیں، مثلاً غیر مدرک اور غیر محدود ہونا ہر جگہ حضوری تا کہ ہر شئے کا حاضر ہو۔ ہر زندہ کی آواز سننا خواہ کتنی ہی دُور اور آہستہ ہو وغیرہ لیکن مخلوق کے لئے ایک ہی وقت میں ہر جگہ رہنا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ مادّی ہے اور مادّی چیز سوائے محدود و مکان و زمان میں ہی رہ باتی ہے۔

رُوح اگرچہ غیر مادّی شئی ہے پھر بھی اسکے لئے ہر جگہ حاضر ہونا ناممکن ہے۔ مختصر یہ کہ کسی انسان یا فرشتہ کے لئے ایک ہی وقت ہر جگہ میں حاضر

رہنا ممکن نہیں ہے تاکہ وہ خدا نہ بن بیٹھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر شے پر ہر وقت قدرت رکھنا ہی حقیقی قدرت کہلاتی ہے یعنی کسی اور سے نہ لی گئی ہو! انبیاء عجیب کام اور معجزات کرنے پر قادر ہوتے ہیں جنھیں عام انسان انجام نہیں دے سکتے۔ لیکن یہ قدرت انھیں خدا کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کی حقیقی قدرت نہیں ہوتی کیونکہ خدا ہی ہر قدرت و قوت کا مصدر رہے اور علت العلل ہے۔ اگر کسی میں ایسی ہی مماثل قوت آجائے تو وہ خدا بن جاتا جو کہ ایک غلط خیال ہے وہ کسی میں نہیں آسکتی!

دوم: خلق اور پیدائش رُوح

خلق نام ہے کسی نئی ایجاد کا جو کسی اور کی مدد سے نہ ہو! لغت میں ایجاد و ایداع کا مطلب ہے بے مثل سابق چیز پیدا کرنا۔ خدا نے نبیوں اور رسولوں کو مُردے جلانے، اندھوں کو بینائی دینے، بیماروں کو اچھا کرنے اور غیب کی خبر دینے وغیرہ کی قدرت عطا کردی، لیکن اسکی اجازت کسی کو نہیں کہ تخلیق کر سکے اور رُوح دے سکے۔ ہاں! یہ بات مسیح میں ہم دیکھتے ہیں کیوں؟ کیونکہ مسیح کا مقام و مرتبت انبیاء و رسل میں بڑھکر ہے۔ کس لئے قرآن نے شرط لگا رکھی ہے،

' اذن ربی' کی ہر نبی کے معجزہ کے ساتھ!

پچھلی آیتوں میں آپ نے دیکھا کہ قرآن نے مسیح کے لئے ثابت کیا ہے پرندوں کو خلق کرنا بالکل اسی طریقہ پر جیسے خدا نے آدم کو مٹی کا پتلا بنا کر اور روح پھونک کر، جیتی جاگتی جان بنا دیا تھا!

سوم: اسکی عجیب و غریب ولادت

سورۂ نساء میں ۱۶۹ ویں آیت میں آیا ہے کہ مسیح کی پیدائش بن باپ رُوح القدس کی قدرت سے بطریق خرق عادت ہوئی تھی ہاں! یہ بھی صحیح ہے کہ آدم بھی بن باپ تھے لیکن وہ ایک اضطراری موقع تھا کیونکہ کوئی بشر تب نہیں خلق ہوا تھا، لیکن مسیح کی ولادت بن باپ' اضطراری نہیں، بلکہ خدا کا قصد تھا تاکہ دنیا جہان کیلئے نشان وآیت بنے۔

"ہم نے مریم کو اور اسکے بیٹے کو ساری دنیا جہان کے لئے آیت اور نشان بنایا ہے" سورۂ انبیاء ۹۱- مریم ۲۱ "مسیح کو ہم بنائینگے نشانی ورحمت لوگوں کے لئے"

کیا ولادت عزبت۔ مسیح، مسیح و مسلم کی نظر کو نہیں کھینچتی؟ اور اسے اس اعتقاد پر کہ مسیح کا کوئی دنیا میں مثیل نہیں اور اسکے درجات بلند ہیں؟

چہارم: دُنیا و آخرت کی وجاہت

سورۂ آلِ عمران ۴۰ میں مسیح کو وجیہ بتایا گیا ہے، کشاف نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ دنیا میں وجاہت یعنی نبوت اور سب پر تقدم۔ اور آخرت کی وجاہت کا مطلب ہے شفاعت اور جنت میں علو مکان! اس مطلب کو تمام مفسروں مثلاً رازی، بیضاوی و سیوطی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اب رہی وہ وجاہت جس کا بیان موسیٰ کے حق میں سورۂ احزاب ۶۹ میں آیا ہے "وکان عند الله وجیها" اسکی تفسیر رازی نے معرفت بتائی ہے۔ رازی نے "من المقربین" یعنی مسیح مقربین میں گنا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وجیہ تو مقرب ہوتا نہیں کیونکہ جنت کے لوگوں کے درجے ہوں گے۔ قرآن میں اسلئے کہا گیا "وکنتم ازواجا ثلاثه لیکن سابقون ہی مقرّب ہوں گے"!

(سورۂ واقعہ ۷، ۱۰، ۱۱)

جس نے قرآن کا درس لیا ہے وہ جانتا ہے کہ کسی اور کی توصیف وجاہت سے نہیں کی گئی جو دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ ہو۔ یہ شرف صرف مسیح کو حاصل ہے ان کے علاوہ کوئی اور نبی یا رسول کو یہ امتیاز نہیں!

پنجم: انکے حق میں کوئی گناہ مذکور نہیں

اس کے لئے مسیح کی عصمت پر بحث دیکھو

ششم: آسمان پر اُن کا اٹھایا جانا

آلِ عمران ۴۸ میں مذکور ہے کہ:

"جب خدا کہیگا اے عیسیٰ، میں تجھے وفات دینے اور اپنی طرف اٹھانے جا رہا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرونگا"

توفی کی شرح تو ہم نے پہلے کر دی ہے جسکے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ اب اسوقت تو ہم رفع کے معنی پر غور کرنے جا رہے ہیں۔ رازی نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ:

"رفع (اٹھانا) سے مراد ہے اللہ کی کرامت کے مقام تک .... پہنچانا۔ یہ تعظیم و بزرگی کی خاطر ہے۔ مراد تطہیر سے یہ ہے کہ کافروں کے بیچ میں سے نکال لینا، اور جس طرح ان کی شان بلند کی گئی ہے بذریعہ رفع۔ تو لفظ تطہیر لا کر مسیح کو چھٹکارے کی خبر دی گئی تھی، یہ سارے بیانات مسیح کے

خدا کے نزدیک اعلیٰ منصب اور بلندی شان و شرف کی خاطر
بطور مبالغہ لائی گئی ہے۔"

مفسر کشاف نے رافعک الیّ کی تفسیر یوں کی ہے:

"میں تجھے اپنے آسمان کی طرف اور اپنے فرشتوں
کی جگہ میں اٹھائے جا رہا ہوں ______"

مسیح کا رفع قرآن میں یعنی اسکی تعظیم من المقربین بتائی گئی
ہے۔ لیکن انجیل شریف نے مسیح کا سبب عظمت یہ بتایا ہے:

"اس نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا خدا کے برابر ہونے
کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا۔ بلکہ اپنے آپ کو
خالی کر لیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں
کے مشابہ ہوگیا اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے
آپ کو پست کر دیا اور یہاں تک فرماں بردار رہا کہ
موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی۔ اسواسطے خدا نے
بھی اسے بہت سر بلند کیا اور اسے وہ نام بخشا
جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے۔ تاکہ یسوع کے نام
پر ہر ایک گھٹنا جھکے خواہ آسمانیوں کا ہو، خواہ زمینیوں
کا، خواہ اُنکا جو زمین کے نیچے ہیں اور خدا باپ

کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع
خداوند ہے۔" فلپیوں ۲ : ۶-۱۲

مسیح نے کہا
مبارک ہیں
وہ جو
پاک دل ہیں
کیونکہ وہ
خدا کو دیکھیں گے

ساتویں بحث

وحدانیت الٰہی میں تثلیث

تاکہ قاری کو مسیحی توحید الٰہی اور تثلیث کی کھل کر توضیح ہو جائے
میں اس عقیدہ کو حرف بہ حرف پیش کرتا ہوں:

"خدائے واحد کے علاوہ تو اور کسی خدا کا وجود ہے نہیں
وہی صاحبِ حکمت وصلاح وقدرت ہے کہ جس کی کوئی حد
نہیں۔ وہ زندہ، حق، ازلی وابدی، منزہ جسم وانفعال ہے
وہ ہر دیکھی اور ان دیکھی شئی کا خالق ہے۔ اس کی اسی
الوہی وحدت میں تین اقانیم ہیں کہ جن کا جوہر ایک
اور ازلیت ایک ہے جسے مسیحی لوگ باپ، بیٹا اور روح القدس
کہتے ہیں۔

یہ عقیدہ تورات وانجیل میں بہت سی آیات سے ثابت ہے اسلئے
اسے بناوٹی نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اب یہ کہ وہ کوئی سمجھ میں آنے والی چیز
نہیں ہے کہ۔۔ منطق انسانی انہیں قبول کرتی ہے یا نہیں تو اس کا
جواب یہ ہے کہ

پہلی بات: گو کہ یہ ذہن میں بات آنیوالی نہیں پھر بھی ایک مانی ہوئی
حقیقت ہے۔ اگر یہ ایک عام مسلمان کے سمجھ میں نہ آئے تو اس میں ان کی
کوئی خطا نہیں ہے۔ حدیث میں وارد ہے البحث عن ذات اللہ کفر
خدا کی ذات کو جاننے کی کوشش کرنا کفر ہے۔

میں کسی ایسے عقیدہ کی تفسیر کا ارادہ نہیں کر رہا ہوں جسے پہلے لوگوں
نے نہیں کی ہے اس کی باریکی کو بعد کے لوگ بھی کما حقہ جان نہیں پائے
کیونکہ یہ تو خدا خالقِ کائنات کی ماہیت کی کھوج ہوئی جسکو عقلائے زمانہ
بھی نہ جان پائے کیونکہ یہ ان کے آپے سے باہر کی بات ہوئی اس لئے
اول تو اس عقیدہ کو ایمان و دل سے مان لینا ہی ایک راستہ ہے چاہے
عقل نہ مانے کیونکہ الہام ووحی سے بتائی ہوئی یہ باتیں ایسی ہیں جن کی
تائید تورات وانجیل نے برائے ہدایت خلق کردی ہیں۔

دوسری بات برادران اسلام کو بتلانے کی یہ ہے کہ وہ خود بھی
کثیر ایسی باتیں مانتے ہیں جو عقلی بنیاد کی دلیل پر نہیں ہیں بلکہ ان باتوں

کو اللہ نے خود اپنی ذات کے لئے بتادی ہیں اسکے علاوہ جو ہیں علماء کے
خیالات ہیں۔ ہمارے ادراک خالق کی ساری باتوں کو تو جان نہیں سکتے
اللہ کو تو اللہ ہی کماحقہ جان سکتا ہے! خدا تو موجود ہے لیکن کائنات
میں پائی جانے والی اور موجودات کی طرح تو وہ نہیں ہے اس کے
نہ طول نہ عرض نہ عمق نہ کم ہے نہ کیف ہے۔ اس کی اعلیٰ ذات تمام
تشبیہہ عقل سے کہیں بلند ہے اسلئے وہی ہم کیوں نہ مانیں جو خود اس
نے اپنے متعلق فرمادیا ہے جنھیں ہم خدا کی کتاب تورات و انجیل میں تحقیق
کرسکتے ہیں اگر وہاں مل جائے تو بہتر ہے ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے
کہ ایک حصہ کتاب تو مان لیں اور ایک کو نہ مانیں جو سمجھ میں نہ آئے اس کا
انکار کردیں، دیکھو سورۂ بقرہ ۲: ۷۹:

" کیا تم ایک حصہ کتاب کو تو مانو گے اور ایک کو رَد
کردوگے تو تمہارے لئے قیامت میں سخت رسوائی
و عذاب ہے۔"

مسلم بھائی تو تورات و انجیل پر خوب خوب طعن و تشنیع کرتے ہیں
مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ نے انھیں بھی اپنا کلام کہا ہے ایسا کہ جنھیں
اس نے اپنی انگلیوں سے لکھا ہے۔ دیکھئے طٰہٰ ۸، ۱۲، نور ۳۵، فتح
۱۰، صافات ۹۷، نساء ۱۰۱، ۱۵۶، بقرہ ۲۰۶، اعراف ۵۲، بقرہ ۲۷

آل عمران ۴۸، رحمٰن ۲۷، قصص ۸۸۔

قرآن نے حب، بغض، رضامندی، حسرت، بھول وغیرہ ایسی
باتوں اور نفسی انفعالات کا انتساب خدا کے ساتھ کیا ہے۔ (اعراف ۴۹
یٰسٓ ۲۹) اگر ان آیتوں کو ظاہراً تو خدا کی آگ سے تمثیل دی گئی ہے
اگر تم کہو کہ خدا آگ میں نہیں، یا آگ نہیں بلکہ وہ ایک ہدایت ہے موسیٰ
کے لئے، تو میں کہوں گا کہ ــــ " اپنے جوتے اتار کیونکہ تو پاک و مقدس
وادی میں کھڑا ہے ــــ" تمہاری بات کو رد کرے اور میری بات کو
ثابت، اگر یہ مانو کہ خدا نور ہے تو یہ نور مشکات کی طرح ہے اور مشکوٰۃ
کے ضمن میں مصباح ہے تو یہ بات خدا کے حلول مکان اور حصر پر دلالت
کرے گی اور یہ بھی کہ خدا کے لئے بھی محل و جہت ہے!

بھئی تم تو یہ کہتے ہو کہ ہم تثلیث کو یعنی خدائے واحد میں تین اقنوم
ہیں اسے تو مانتے نہیں کیونکہ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے، لیکن تم یہ بھول
رہے ہو کہ حقیقت میں بہت سے اسلامی اعتقادات میں بھی وہی
دقت ہے جو یہودی و مسیحی اعتقادات میں ہیں۔ اگر کوئی کافر تمہیں
وحی کو ثابت کرنے کا چیلنج دے تو اعلیٰ سے اعلیٰ عالم بھی اسے ثابت
نہ کرسکیگا۔ ہر مومن یہ مانتا ہے کہ ساری کائنات خدا نے بنائی ہیں

اور وہ بھی چھ دن میں ، انسان کو خدا نے ناطق بنایا ہے اپنی قدرت کے کلمہ سے ۔ ہر مومن مانتا ہے کہ نبیوں اور رسولوں سے معجزات ہوئے جیسے مردے کو زندہ کرنا ، نابینا کو بینائی دینا ، مفلوج کو اچھا کرنا ، اور یہ بھی مانتا ہے کہ قیامت اور موت کے بعد جی اٹھنا ہے ، آدم اول سے لیکر آخری بشر تک ہر شخص زندگی پائے گا حتیٰ کہ وہ بھی جو ناحق مارا گیا یا جسے مچھلیوں نے کھالیا یا حیوانات نے جبراً کھالیا سب زندہ کئے جائینگے تاکہ آخری حساب کیا جائے۔

اسکو اگر ایک کافر نہ مانے تو کون سی دلیل ہوگی سوائے کتب منزلہ کے جس سے تم یہ ثابت کرسکو!

اگر کوئی پوچھے کہ خدا کیا چیز ہے کہاں ہے ؟ تو تم جواب دینے سے خود کو قاصر پاؤ گے ، اسیطرح رُوح کو لو ، وہ کیا ہے تم نہیں جانتے حالانکہ وہ تمہارے ساتھ ہے ، عقل و فلسفہ اسکی ماہیت کے بیان سے عاجز ہیں۔ دنیا میں لاتعداد ایسی چیزیں ہیں جو محسوسات سے ہیں جنھیں ہم نہیں جان سکتے تو پھر بھلا غیر محسوسات اور رُوحانی اور بالائی چیزیں کیسے جان سکتے ہیں!

ہم اور آپ دونوں اس بات سے واقف ہیں کہ مسئلہ تخلیق ، معجزات بعث ، حساب ، خلود نفس کی ہم تصدیق کرتے ہیں لیکن انھیں ثابت

نہیں کرسکتے ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں ، یہودی تورات کی بنیاد پر ، مسیحی انجیل کی بنیاد پر اور مسلم قرآن کی بنیاد پر۔ اگر تثلیث کا انکار محض اس بنا پر کہ وہ نا قابل فہم ہے تو اس جیسے سارے اعتقادات کا انکار و رفض لازم آئے گا ___ جیسے سارے اعلانات الٰہی کا۔ خدا قائم بنفسہ ہے ازلی اور علت العلل ہے ، عالم کل ہے ہر پیدا اور ناپید چیز کا۔

اللہ واحد ہے جوہر میں ، مثلث ہے عدد میں۔ چونکہ خدا موجودات میں وحید و منفرد ہے اپنی طبیعت و صفات کے لحاظ سے ، ممتاز ہے اپنے ماسوا سے اپنی کیفیت وجود میں!

اگر یہ کہو کہ ایک جوہر واحد میں تین اقانیم محال ہے تو ہم کہیں گے کہ تمہارا یہ دعویٰ بے دلیل ہے کیونکہ ہماری ناقص عقلیں ، ممکن اور غیر ممکن وما فوق کا معیار و قیاس بناتی ہیں ، ابھی تک وہ جانچ کا کوئی آلہ نہیں پاسکی ہیں۔ لاہوت کے اقانیم تو جوہر فرد و واحد میں بھی پائے جاتے ہیں ، ہاں وہ کسی جوہر واحد جنسی یا نوعی بھی نہیں پائے جاتے اسلئے تعدد لاہوت جوہر کو لاحق نہیں ہوتا ، نہ انقسام جوہر کو ، کیونکہ جوہر خدا غیر مادی ہے اور رُوحانی ہے اور رُوح کا انقسام مطلق نہیں ہوا کرتا اس لئے کل کے کل باپ ، بیٹا ، رُوح القدس باعتبار

اپنے اقنوم کے ذاتِ واحد میں ہیں، اور ہر ایک ان میں کا، لاہوت واحد کا جوہر ہے بے انقسام وانفصال۔ لفظ اقنوم کا لغت میں ایک معنی نہیں ہے، جیساکہ وہ اپنی تعبیر ثالوت اقدس میں ہے؛

اتنا کچھ کہنے کے باوجود بھی تثلیث کو ماننے کے قائل نہیں کیونکہ عقلی دلیل سے یہ نہیں ثابت ہوتی تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر چیز کے لئے الگ الگ دلیلیں ہوا کرتی ہیں۔ تاریخی واقعات کو تم منطق یا کیمیا یا ریاضی سے نہیں ثابت کر سکتے، یا یہ کہ کل جز سے بڑا ہوتا ہے تم کسی کیمیا کے اصول سے نہیں ثابت کر سکتے۔ ہر چیز کا اسکے جنس سے متعلق قانون ہوا کرتا ہے۔ دینی مسئلے صرف کتب منزلہ سے، ریاضی کے مسئلے علوم ریاضیہ، فلکی مسائل علم الفلک کے قوانین سے حل کئے جاتے ہیں اسلئے دینی عقائد کو اگر علمی دلائل سے حل کرنے کی کوشش کروگے تو کہیں کے کہیں پہونچوگے۔

مسئلہ تثلیث کی مخالفت درست نہیں! کیونکہ تم کہتے ہو کہ اللہ اس کا کلمہ اس کی رُوح تثلیث ہے، اور ہم کہیں گے کہ باپ، بیٹا، رُوح القدس تثلیث ہے۔ لہٰذا "ایمان لا اللہ پر اور نہ کہہ تین، اس سے بچ، یہی بہتر ہے تیرے لئے۔ اللہ خدائے واحد ہے۔"

(النساء ۴ : ۱۶۹)

ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ کے لئے کلمہ بھی ہے رُوح بھی ہے۔ اللہ ایک ہے اپنے کلمہ اور روح کے ساتھ۔ تمہارے عقیدہ کے موافق جو کچھ اللہ میں ہے وہ اللہ ہی ہے، چنانچہ اللہ کا کلمہ بھی خدا ہوا، اللہ کی کل صفات مثلاً اس کا واجب الوجود اور اسکی ازلیت وغیرہ بھی۔ اللہ کی روُح اللہ ہوئی اور مشارک ہوئی قِدم میں اور عدم فنا میں۔

کندی نے جو ہاشمی کو کہا ہم اسے نقل کرتے ہیں تثلیث پر کہ:

—" تم کس طرح مجھے خدا کی وحدانیت کو سمجھا سکتے ہو؟ کیا تم کو معلوم نہیں خداوند کو واحد تین طریقہ سے کہتے ہیں، یا تو جنس کے لحاظ سے، یا نوع کے لحاظ سے، یا عدد کے لحاظ سے! اب کسی طرح اور کسی جہت سے اللہ کی تم توصیف کرو — جنس سے، نوع سے یا عدد سے۔ اگر تم کہو کہ وہ جنس میں واحد ہے تو وہ ویسا واحد ہوا جو عام ہے اور مختلف انواع پر صادق ہے کیونکہ واحد کا جنس میں حکم وہی ہے جو انواع کثیرہ مختلفہ کو محقق ہو اور یہ تو خدا کو جائز نہیں۔ اگر کہو کہ وہ واحد فی النوع ہے تو یہ نوع بھی عام ہوگی اقانیم ثلٰثہ کو، کیونکہ حکم نوع تو اقانیم کثیرہ فی العدد کو لپٹیتا ہے۔ اور اگر کہو کہ وہ واحد فی العدد ہے تو تمہاری بات کٹ جائیگی کہ وہ واحد فرد صمد ہے۔ کیا تمہیں

معلوم نہیں کہ واحد فرد بھی ایک عدد ہوتا ہے اسلئے کہ کمال عدد وہ ہے جو عام ہو جمیع انواع عدد کا۔ چنانچہ واحد گنتی میں کا ہوا۔ یہ بھی تمہاری بات کو نقص کرتا ہے۔ اگر یہ کہو کہ وہ واحد فی النوع ہے، تو نوع کے لئے ذوات شی لازم ہے نہ کہ واحد فرد۔ اگر کہو کہ وہ واحد ہے جوہر میں، تو ہم پوچھینگے کہ کیا تمہارے نزدیک صفت واحد فی النوع مخالف ہوگی واحد فی العدد کی صفت سے؟ یا شاید تمہاری مراد ہے واحد فی النوع سے، واحد فی العدد؟ کیونکہ وہ عام ہے۔ اگر تم کہو یہ اسکی مخالفت کرتا ہے تو ہم کہینگے کہ واحد فی النوع کی حد (تعریف) یہ ہے کہ وہ ایک اسم ہے جو عام ہے مختلف افراد کو۔ اور واحد کا واحد وہ ہے جو نہ عام ہو سوا خود کے! کیا تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ واحد فی الجوہر ہے جو عام ہے اشخاص شی کو، لیکن تم تو اسکی توصیف شخص واحد سے کر چکے ہو۔ اگر تمہاری مراد اس سے یہ ہے کہ واحد فی النوع، واحد فی العدد ہوتا ہے، تو تم نے تو واحد فی النوع کی تعریف کی نہیں کہ کیا ہوتا کیسا ہوتا ہے، تم تو اپنی پہلی بات کی طرف پھر لوٹ گئے کہ وہ واحد فی العدد ہے، یہ تو مخلوق کی صفت ہوگئی لیکن مسیحی لوگ

تو اسکی توصیف میں یوں کہتے ہیں کہ وہ واحد کامل فی الجوہر ہے، مثلث فی العدد ہے یعنی تین اقانیم میں ہے، تو اسکی صفت دو طرح سے کامل ہوئی، ایک جوہر میں: جمیع مخلوقات سے اسکے بلند ہونے کے لحاظ سے ــــ بسیط و غیر کثیف، رُوحانی نہ کہ جسمانی ہے واحد فی العدد ہے، اسلئے کہ عام ہے سارے انواع عدد میں کیونکہ عدد کی تو گنتی ہوتی نہیں، اگر اسکی انواع ہوں دو روح و فرد، تو داخل ہوگئیں یہ دونوں انواع ان تینوں میں کسی طرح سے بھی ہم نے اس کا وصف کیا ہو، ہم نے عدول نہیں کیا ذرا بھی کمال کی صفت سے جیسا کہ اسے لائق ہے۔ تاکہ تم جان لو کہ ہم نے اللہ کو واحد وصف کیا ہے، نہ کہ اس بنیاد پر جیسا تم نے وصف کیا ہے۔

آخر میں ہم خدائے واحد فی الجوہر و مثلث فی العدد سے یہی امید کرتے ہیں کہ تم روح القدس کی عنایت سے اسی عقیدہ پر قناعت قلبی حاصل کر سکو تاکہ تم اس پر ویسے ہی ایمان لاؤ جیسا اس پر ہی ایمان لاتے ہو کہ وہ ہر شئے پر قادر ہے اور ہر ایک کو مستجاب فرماتا ہے۔

آٹھویں بحث

محمدؐ اور فارقلیط

مسلم بھائی کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ فارقلیط ان کے نبی کا نام ہے جو انجیل میں وارد ہوا ہے اور قرآن نے بھی سورۂ صف میں سند پکڑا ہے : وہ کہتے ہیں کہ انجیلی لفظ فارقلیط کے معنی ہیں محمد یا احمد بعض یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ انجیل میں تبدیلی کی گئی ہے کیونکہ اب یہ بشارت اس میں نہیں ہے۔

یہ بات کچھ عجیب سی ہے کیونکہ ایّام محمد میں بھی وہ ویسی ہی مدون تھی جیسی وہ پہلے تھی اور اب بھی یونانی میں ویسی ہی ہے اس آیت کے لفظ سے جو سمجھا گیا ہے وہ بے محل ہے اسلئے کہ یونانی لفظ —— ΠARAKAH نہ کہ ΠERIKHOTE، انگریزی میں ——

PARACLETOS کہیں گے نہ کہ PERICLETOS۔ پہلے لفظ کا مطلب ہے معزی، دوسرے کا محمود۔ یہ آیت ہمیشہ ہی انجیل میں ایک دلیل ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اب ہم ان آیات میں جہاں فارقلیط آیا ہے اسکے معنی پر قرائن کی روشنی میں سمجھیں کہ کیا یہ صحیح ہے کہ محمد کیطرف انہیں منسوب کیا جا سکے جیسا کہ مسلم کرتے ہیں۔

آیات یہ ہیں :

یوحنا۱۴: ۱۶، ۱۷:+ ۱۵: ۲۶ : ۷، ۸ + اعمال ۱: ۴، ۵+ ۲: ۴۔

یاد رہے کہ اس دنیا میں رہنے کی مدت کے دوران خداوند مسیح اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے رہے جس کا ماحصل تسلی و ارشاد تھا انہوں نے شاگردوں کو اپنی موت و جدائی کے بابت بھی بتایا جس سے وہ بڑے غم‌زدہ و دلگیر ہوئے انہیں تسلی درکار تھی تاکہ جدائی کے بعد بھی وہ اپنی راہ پر قائم رہیں۔ اسلئے پہلے ہی سے انہوں نے روحِ پاک اور ایک دوسرے تسلی دہندہ کا وعدہ کیا جیسا کہ آیات بالا سے ظاہر ہے۔ وہ تسلی دہندہ محمد ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ موعود بہ غیر مجسم شخص یعنی روحِ حق اور سچائی کی روح ہوگا دنیا نہ اسے دیکھ سکتی نہ اسے قبول کرے گی۔ یہ وصف حضرت محمد کا نہیں، وہ صاحب جسم

بھی تھے اور دنیا والوں نے انہیں دیکھا بھی۔ پھر، جسکے آنے کا وعدہ تھا وہ آیا بھی اور حواریوں کے اندر ابد تک رہا بھی۔ یہ وصف بھی محمد صاحب پر صادق نہیں آتا کیونکہ ان کا ظہور تو حواریوں پر ہوا نہیں نہ وہ ابد تک ساتھ رہے۔ پھر، موعودہ ہستی شاگردوں کے ساتھ رہی محمد تو ان کے ساتھ رہے نہیں۔ پھر، مسیح نے شاگردوں کو یروشلیم سے باہر جانے سے روکا اور وہیں انتظار کرنے کی تاکید کی۔ وہ وہاں رہے اور تسلی دہندہ کا ان پر وہیں ظہور بھی ہوا اور سب کے سب روح القدس کی قوت سے بھر گئے، یہ بھی حضرت محمد پر چسپاں نہیں ہوتا ورنہ حواریوں پر یروشلیم میں چھ سو سال قیام کرنا واجب ہوتا جبکہ آمد تسلی دہندہ جلد ہی ان کے حین حیات ہونا تھا ورنہ تسلی کا فائدہ ہی کیا! "فرمایا تھا کہ زیادہ دن نہ ہوں گے کہ تم روح القدس سے تعمید یافتہ (بپتسمہ) ہو گے۔ (اعمال ۱:۵)

مجھے تو لگتا ہے کہ مسلم بھائی کا ارادہ ہے ہی نہیں کہ مسیح پر اعتقاد رکھے کہ انہوں نے ہی حضرت محمد کو بھیجا ہے کہ آیت تو یہی ہے کہ مسیح ہی مددگار کو بھیجیں گے۔ اگر ایسا ہے تو پھر مسلم کو مسیح مرسل کی الوہیت کو بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ حضرت محمد کا تو دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں!

خاتمہ

میں نے ابتدا ہی میں ذکر کیا تھا کہ طہارت قلب اور گناہوں کی مغفرت سوائے مسیح کے اور کوئی نہیں کر سکتا اور یہ بھی کہ سوائے کتاب مقدس کے اور کوئی نہیں جو نجات و خلاصی کی راہ دکھا سکے۔ مسیحیت کے سوا اور کوئی دوسرا مذہب ہے نہیں جہاں عدل و رحم خداوندی باہم یکجا جمع ہو سکیں۔ خدا کی محبت بے پایاں کا اور نجات کی گھڑی کا یوم مقبول اب آ پہونچا ہے! ہماری دعا تو بس یہی ہے کہ خداوند مسلم بھائی کو بھی پاک روح عطا فرمائے اور مسیح کی نجات اور ہمیشہ کی زندگی کا وہ بھی وارث بن جائے۔

مسابقت کتاب ہذا پر سوالات

۱۔ مسیحی مذہب میں کتاب مقدس (تورات و انجیل) کو کیسی مرکزیت حاصل ہے ؟

۲۔ کتاب مقدس پر ایمان نہ لانے والے (کافر) کے لئے قرآن نے کیا فیصلہ دیا ہے ؟

۳۔ ایسی قرآنی آیات یاد کرو جو تورات و انجیل کے، محمد کے زمانہ یا بعد کے زمانہ میں وجود کی گواہ ہیں !

۴۔ تورات و انجیل کی صحت کو عقلی طور پر کیسے ثابت کرتا ہے ؟

۵۔ کیا بائبل کو محرّف و متغیر ماننے والے کوئی ایسی آیت دکھا سکتے ہیں یا اسکی غایت بتا سکتے ہیں ؟

۶۔ ناحوم نبی نے کیا نبوت کی؟ کیا اسکی اور دیگر انبیاء کی نبوتیں پوری ہوئیں ؟

۷۔ آثار قدیمہ کی کوئی ایسی دلیل دو جو تورات و انجیل کی صحت پر گواہ ہو !

۸۔ مسٹر سمتھ نے نینوہ کے کھنڈرات میں کیا پایا ؟

۹۔ کتاب مقدس (بائبل) کے مخطوطات کے نام بتائیے !

۱۰۔ کوئی ایسی قرآنی آیت بتائیے جو تنسیخ کے دعوے کو رد کر دے !

۱۱۔ خدا نے آدم و حوا کو کس حالت میں پیدا کیا تھا کیا وہ حالت بعد میں قائم رہی ؟

۱۲۔ کتاب مقدس کی کوئی ایسی ایک آیت یاد کیجئے جو سارے انسان کے فساد کی جڑ پر گواہ ہو !

۱۳۔ وہ کیا دلیل ہے جسکی بنیاد پر سارے انبیاء گنہگار مانے گئے ہیں ؟

۱۴۔ سارے گنہگار حکم الٰہی کے بموجب کسی سزا کے حقدار بتائے گئے ہیں ؟

۱۵۔ قربانیاں کس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہیں ؟

۱۶۔ قرآن شریف سے مسیح کی موت کیسے ثابت ہوتی ہے ؟

۱۷۔ مسیح کی صلیب کیا کوئی تاریخی دلیل رکھتی ہے ؟

۱۸۔ باقی انبیاء اور سارے بشر سے مسیح کس بات میں ممتاز ہیں ؟

۱۹۔ اعمال کی کتاب ۴ : ۱۲ یسوع مسیح کے بارے میں کیا کہتی ہے ؟

۲۰۔ اگر کوئی آپ سے تثلیث کے بارے میں پوچھے، تو آپ کیا کہیں گے ؟

۲۱۔ اس کتاب کے بارے میں آپ کو جو کچھ سمجھ میں آیا ہے اس

کا خلاصہ چند سطروں میں بتائیے ؟
اگر آپ نے پندرہ سوالات کے جوابات ہمارے پاس بھیجے تو
ہم آپ کو بطور انعام ایک عمدہ سی کتاب روانہ کردیں گے ۔ اپنا پتہ
ہمارے پاس صاف صاف انگریزی میں ضرور لکھیئے ؛

ناشرین

The Good Way · P.O. Box 66 · CH-8486 Rikon (Switzerland)